ستمبر ۱۹۷۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۲۸ | ستمبر ۱۹۷۹ء | عدد ۹

مشمولات

		صفحہ
✱ صراط مستقیم : نشری تقاریر - - - - - -	ڈاکٹر اسرار احمد	۱-۳
✱ حکمت اور فلسفہ کے مسائل اور قرآن حکیم	مولانا محمد ناظم ندوی	۱۳
✱ قرآن کریم اور تجارت - - - - - -	ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر	۳۲
✱ سیاسی ادارے ''اصطلاحیں'' عملی تقاضے اور قرآن حکیم - - - - - - - - -	نیاز احمد خان ایڈووکیٹ	۴۴
✱ عبقری زمانہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اقتباس از ''دیدہ و شنیدہ'' - - - - -	ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی	۴۵

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور
(فون : 852683 - 852611)

عرض احوال

الحمد و المنہ کہ تحریک و دعوت رجوع الی القرآن کا جہاں پاکستان میں تعارف وسیع تر ہو رہا ہے ، وہاں سعودی عرب ، متحدہ عرب امارات اور پڑوسی ملک بھارت میں یہ تحریک و دعوت بہت پہلے متعارف ہو چکی تھی اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے قرآن حکیم کے دروس کے تذکرے ان ممالک میں کافی عرصہ سے ہو رہے تھے ۔ اب بفضلہ تعالیٰ اس تحریک و دعوت کے متارفین و متاثرین کا حلقہ امریکہ ۔ کینیڈا ۔ آنگلینڈ ۔ آئرلینڈ ۔ اسکنڈ سے نیویا اور مصر تک وسیع ہو گیا ہے ۔ اس تعارف کا ایک ذریعہ تو مرکزی انجمن کی مطبوعات ہیں جو بیشتر ڈاکٹر صاحب موصوف کے پمفلٹوں پر مشتمل ہیں ۔ لیکن دوسرا موثر ذریعہ وہ چند حضرات ہیں جو لاہور یا کراچی میں ڈاکٹر صاحب کے دروس میں ماضی میں شریک ہوتے رہے ۔ بعدہٗ وہ کاروبار یا ملازمت کے سلسلہ میں ان ممالک میں تشریف لے گئے ۔ ان میں سے بعض حضرات دروس کی ٹیپ اور کیسٹ بھی ساتھ لے گئے اور ان کی وساطت سے ان ممالک میں مطالعہ قرآن کے لیے حلقے قائم ہوئے ۔ جس کے اثرات آہستہ آہستہ وسیع ہوتے رہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ موقع فراہم فرمایا کہ ان ممالک سے انفرادی طور پر بھی اور چند دینی اداروں کی جانب سے بھی پے در پے ڈاکٹر صاحب کو درس قرآن کے لیے ان ممالک کے دورے کے لیے دعوت نامے آنے شروع ہوگئے ۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ دعوت قبول کرنے میں کچھ تامل تھا ۔ ان کا یہ خیال تھا کہ طویل عرصہ کے لیے مرکز سے کی غیر حاضری دعوتی اور تنظیمی کاموں پر اثر انداز ہو سکتی ہے ۔ لیکن مرکزی انجمن کی مجلس منتظمہ نے طے کیا کہ یہ دعوت نامے ضرور قبول کرنے چاہیں ان شاء اللہ سفر تحریک و دعوت رجوع الی القرآن کے لیے وسیلہ ظفر ہوگا اور ڈاکٹر صاحب صحت کے لیے بھی مفید جو کثرت کار کی وجہ سے جون ۷۹ سے گرتی جا رہی تھی چنانچہ ۲۰ اگست کو کراچی سے ڈاکٹر صاحب بذریعہ ہوائی جہاز بالٹی مور (امریکہ) کے لیے عازم ہوگئے واللہ خیراً حافظاً ۔

ڈاکٹر صاحب کے اس دورے کے پروگراموں کی ایک جھلک پیش خدمت ہے ان شاء اللہ العزیز دورے کی تکمیل کے بعد مفصل رو داد پیش کی جائے گی ۔

۱۔ بالٹی مور (امریکہ) میں ڈاکٹر صاحب کو عید الفطر کی نماز کی امامت کرنی تھی اور خطاب کرنا تھا ۔

۲۔ اسی شہر میں چند خطابات کرنے اور چند قرآن حکیم کے دروس دینے تھے علاوہ ازیں بالٹی مور کے احباب کے پیش نظر یہ امر بھی تھا کہ امریکہ کے دو تین شہروں میں جہاں اُردو دان مسلمان اچھی خاصی تعداد میں رہائش پذیر ہیں ۔ وہاں بھی ڈاکٹر صاحب کے خطاب یا درس قرآن کا انتظام ہو جائے ۔

بقیہ ٹائٹل صفحہ نمبر ۳

صراطِ مستقیم : نشری تقریر

اسرار احمد

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

اَحْمَدُہٗ وَ اُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ، اَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝"

قرآن حکیم کی پہلی سورت سورۂ فاتحہ ہے اور اُس کی پہلی آیت وہ ہے جو ابھی تلاوت کی گئی اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ پورے قرآن کے فلسفہ و حکمت کا خلاصہ و لُبِّ لُباب سورۂ فاتحہ میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے 'اُمّ القرآن' بھی کہا گیا اور 'اساس القرآن' بھی اور 'الکافیہ' سے بھی موسوم کیا گیا اور 'الشافیہ' سے بھی۔ ویسے ہی اس میں بھی ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ سورۂ فاتحہ کے مضامین کی جڑ اور بنیاد ـــــ گویا قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کی اصل اساس اُس کی پہلی آیت ہے ۔

اس آیۂ مبارکہ کی عظمت اور قرآن کے فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے اس کے مقام و مرتبہ کو پہچاننے کی کوشش کرنے سے پہلے اُس کے الفاظ کے معانی پر غور کر لینا چاہیئے ۔

'الحمد' کے آغاز میں الف لام ، لامِ استغراق یا لامِ جنس ہے۔ گویا 'الحمد' کے معنی ہوئے کُل کی کُل حمد یا حمد کی جملہ انواع و اقسام !

حمد کا ترجمہ عام طور پر 'تعریف' کر دیا جاتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے اُس کا پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اصل میں 'حمد' مجموعہ ہے 'شکر' اور 'تعریف' دونو کا۔ بلکہ اس کا اصل بنیادی مفہوم 'شکر' ہے۔ 'تعریف' کا مفہوم اس میں اضافی طور پر شامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیثِ نبویؐ میں جو دعائیں شکر کے مواقع پر آئی ہیں اُن سب کا آغاز لفظِ 'حمد' سے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السّلام ایسی اولاد عطا فرمائی تو اُن کے قلب سے شکرِ خداوندی کا جو چشمہ پھوٹا، وہ اُن کی زبان پر اس ترانۂ حمد کی شکل میں جاری ہوا کہ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ" (یعنی کل شکر و سپاس اور تمام تعریف و ثناء کا مستحق ہے وہ اللہ جس نے مجھے بڑھاپے اور ضعیفی کے باوجود اسمٰعیل اور اسحٰق عطا فرمائے۔ یقیناً میرا ربّ دُعا کا سُننے والا ہے!)

اسی طرح ادعیۂ ماثورہ میں سے مثلاً وہ دُعا جو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کھانے سے فراغت کے بعد مانگا کرتے تھے، اُس کے الفاظ یہ ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقٰنَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا!) ـــــ البتہ شکر کوئی کرتا ہے کسی منعم و محسن کے اُس وصف پر جس سے خود شکر کرنے والے کی ذات کو کوئی فائدہ پہنچا ہو یا فیض حاصل ہوا ہو۔ جبکہ تعریف کسی صاحبِ جمال و کمال ہستی کے جملہ محاسن و کمالات کی کی جاتی ہے، خواہ اس سے تعریف کرنے والے کی ذات کو کوئی نفع پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو۔ اس طرح تعریف کا دائرہ شکر سے وسیع تر ہو جاتا ہے، اور لفظِ حمد ان دونوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

لِلّٰہ کے آغاز میں لام حرفِ جار ہے اور یہاں اس کے بہت سے معنوں میں سے دو معانی بیک وقت مراد ہیں، ایک استحقاق اور دوسرے ملکیّت۔ گویا کل شکر و سپاس اور ثناء و تعریف کا مستحق بھی اللہ ہی ہے اور فی الواقع بھی یہ سب اُسی کی ہیں، خواہ کوئی مانے خواہ نہ مانے، اور خواہ کسی کو اس حقیقت کا ادراک و شعور حاصل ہو خواہ وہ اپنی جہالت کے باعث اس سے محروم و محجوب رہے۔ گویا کل شکر و تعریف (DEJURE) بھی اللہ ہی کے لئے ہے اور DEFACTO بھی! ـــــ!!

لفظ اللہ کے بارے میں دو رائیں اہلِ تحقیق کے یہاں پائی جاتی ہیں: ایک یہ کہ یہ اسمِ جامد ہے اور خالقِ کون و مکان اور مالکِ ارض و سماء کا اسمِ ذات یعنی اسمِ علم ہے ـــــ اور دوسرے یہ کہ یہ لفظ اِلٰہ پر لامِ تعریف داخل کرنے سے بنا ہے،

یعنی خاص اِلٰہ — یا وہ اِلٰہ جس میں کُل کی کُل اُلوہیّت یا الوہیّت کی تمام صفات جمع ہو گئی ہیں۔ پھر اِلٰہ کے مادّۂ اشتقاق کے اصل لغوی مفہوم کے اعتبار سے 'اِلٰہ' کے معانی کے بارے میں بھی تین آراء پائی جاتی ہیں : ایک وہ ہستی جس کی جانب انسان اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے رُجوع کرے دوسرے وہ ہستی جس کی کُنہ ذات ہی نہیں صفات کی کیفیت و کمیت کے بارے میں بھی انسان کو صرف حیرت واستعجاب کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو سکے — اور تیسرے وہ ذات جس سے انسان والہانہ محبّت کرے۔ اور عجب حُسنِ اتّفاق ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ سے مختلف لوگوں کا تعلّق اپنی اپنی افتادِ طبع اور شعور کی سطح کی مناسبت سے اسی طور سے مختلف ہے۔ چنانچہ عوام النّاس کے لئے اللہ وہ ہستی ہے جس کی جانب وہ حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے رجوع کرتے ہیں جبکہ اہلِ فلسفہ و اربابِ دانش کے نزدیک اللہ وہ ہستی ہے جس کی ذات و صفات کے باب میں سوائے تحیّر کے انسان کے ہاتھ اور کچھ نہیں آیا۔ اور اربابِ صفا اور اصحابِ قلب کے نزدیک اللہ ہی محبوبِ حقیقی بھی ہے اور مطلوبِ اصلی بھی! —— اور واقعہ یہ ہے کہ معرفتِ الٰہی کا صحیح حظّ صرف ان ہی کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے اپنے ظرفِ دل و دماغ کے مطابق ایمان باللہ کے ضمن میں اِن تینوں نسبتوں کو جمع کر لیں ؂

لفظِ 'ربّ' کا اصل مفہوم مالک کا ہے۔ چنانچہ 'ربّ البیت' گھر کے مالک کو کہتے ہیں۔ البتہ لفظِ 'ربّ' میں ایک ایسے مالک کا تصوّر سامنے آتا ہے جو اپنی ملکیّت کو لے کر یونہی نہ بیٹھا رہے بلکہ اس میں کی ہر چیز کو ترقی دے، پالے پوسے پروان چڑھائے اور اس کے وجود میں مضمر استعدادات کو پوری طرح بروئے کار آنے کے مواقع بہم پہنچائے۔ گویا 'ربّ' میں مالک کے ساتھ ساتھ پروردگار اور پالنہار کا اضافی مفہوم بھی پایا جاتا ہے ؂

'عالمین' جمع ہے 'عالم' کی۔ اِس کا مادّہ اشتقاق ہے 'علم' —— اسمِ علم کسی شخص یا مقام کا وہ نام ہے جس سے اُس کی پہچان یا علم حاصل ہو جائے۔ اسی طرح سلسلۂ کون و مکاں اور جملہ مخلوقات و موجودات کو لفظِ عالم سے اس لئے تعبیر کیا

جاتا ہے کہ وہ اپنے موجد، مبدع، خالق و صانع اور مصوّر و مُدبّر کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس لفظ کو عموماً قرآن جمع کی شکل میں لاتا ہے، گویا سلسلۂ مخلوقات و موجودات کے مختلف حصّوں یا شعبوں کو مختلف عالم قرار دے دیا گیا۔ جیسے عالمِ جمادات، عالمِ نباتات، عالمِ حیوانات، عالمِ انس، عالمِ جنّ، عالمِ اجساد، عالمِ ارواح، عالمِ دُنیا، عالمِ برزخ، اور عالمِ آخرت وغیرہ وغیرہ۔ یہاں "العالمین" پر لامِ تعریف کے اضافے نے مزید استغراق مضمون پیدا کر دیا ـــ یعنی ربّ تمام جہانوں اور جمیع عالموں کا۔ ❊

"ربّ العٰلمین" مرکّب اضافی ہے اور اس آیۂ مبارکہ میں یہ بطورِ نعت و صفت آیا ہے اللہ کے لئے۔ گویا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝" کا پورا ترجمہ ہوا: "(کُل شکر اور تمام تعریف کا مستحق و مالک اللہ ہے جو مالک و پروردگار ہے تمام جہانوں کا!") ـــ جیسے کہ آغاز میں عرض کیا گیا تھا، یہ سادہ سا جملہ جس عظیم حقیقت کی جانب رہنمائی کر رہا ہے وہ نقطۂ آغاز ہے قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کا۔ اس لئے کہ اُس میں ترجمانی کی گئی ہے ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان کے باطنی احساسات کی۔ اور وہ اس طرح کہ از روئے قرآن انسان کی فطرت کی صحت اور سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اُس کے قلب میں اپنے منعم اور محسن کیلئے جذباتِ تشکر پیدا ہوں جو شکریے کے الفاظ کا جامہ پہن کر اُس کی زبان پر بھی وارد ہوں، اور اُس کے پورے وجود اور طرزِ عمل سے بھی ظاہر ہوں۔ جبکہ عقل کی صحت و سلامتی کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے اصل منعم و محسن کو پہچان لے۔ اور یہ جان لے کہ اگرچہ اس کی ربوبیّت کا سامان نہایت وسیع و عریض سلسلۂ اسباب کے ذریعے اُس تک پہنچ رہا ہے۔ لیکن چونکہ اصل مسبّب الاسباب اللہ ہے لہٰذا وہی منعمِ حقیقی اور محسنِ حقیقی ہے۔ نتیجۃً اُس کا کل جذبۂ تشکر مرتکز ہو جائے ذاتِ باری تعالیٰ پر ـــ یہی حقیقت ہے جسے سورۂ لقمان میں یوں ادا فرمایا گیا: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ" (اور ہم نے لقمان کو حکمت و دانائی عطا فرمائی کہ کر شکر اللہ کا!) گویا حکمت و دانائی جو حاصل جمع یا حاصل ضرب ہے فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرے۔ جیسے کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے تعریف

بقیہ صفحہ ۴۲ پر

حکمت اور فلسفہ کے مسائل اور قرآن حکیم

از: مولانا محمد ناظم ندوی مدظلہ

(یہ مقالہ قرآن کانفرنس منعقدہ کراچی مارچ ۷۹ء میں پیش کیا گیا تھا)

حکمت عربی زبان کا لفظ ہے قرآن حکیم میں یہ لفظ کئی آیات میں آیا ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: یہ کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں: یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو دین کی دعوت حکمت کے ساتھ دیں: اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ اسی لفظ حکمت سے حکیم کا لفظ مشتق ہے۔ یہ بات واضح کرنا بے موقع نہیں ہوگا کہ عربی زبان میں حکیم کا لفظ طبیب کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے معنی عاقل، دانشمند، صاحب عقل و خرد کے اور صاحب بصیرت کے ہیں۔ "الحکیم" اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے: وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا: جسے حکمت دی گئی اسے بڑا خیر دیا گیا۔ یہ ایک بڑا جامع لفظ ہے۔ اس کا اطلاق درست، صحیح، قول نیز اس میں عقل و دانائی اور بصیرت کے تمام امور شامل ہیں۔ انسان نے اپنی عقل و دانش اور تجربوں سے جس قدر علوم حاصل کئے ہیں وہ سب حکمت کے تحت آتے ہیں، خواہ ان کا تعلق مادیات سے ہو یا اخلاقیات سے، سب حکمت کے تحت آتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: الحکمة ضالة المومن فمن وجدها فهو احق بها:۔ "حکمت مومن کی گم شدہ شے ہے جو اسے پائے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے"۔ لا یاتیه الباطل من ابین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید (قرآن) کے پاس باطل نہیں آتا، نہ سامنے سے نہ پیچھے سے۔ یہ حکمت والے اور حمد والے کے

پاس سے نازل ہوا ہے!"

(۲)

صدیوں سے عقلِ انسانی غور و فکر کرتی رہی ہے اور گوناگوں مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے۔ اس نے بے شمار تجربے کئے ہیں۔ اِن عقلی کاوشوں علمی مباحث اور آسمان و زمین کے متعلق بے شمار بحثیں کی ہیں۔ یونان کے فلسفیوں نے اپنی عقلی بحثوں اور کاوشوں سے ایک واجب الوجود کا سراغ لگایا، اور اسے علّت العلل قرار دیا۔ ان تمام فلسفیانہ مباحث کا مجموعہ موجودہ نسل تک پہنچا ہے۔ عقلِ انسانی جو ہمیشہ متحرک اور فعّال رہی ہے اور آج بھی نوعِ انسانی کے اجتماعی دانش فعّال و متحرک ہے۔ اس کی جولان گاہ محدود نہیں ہے، وہ زندگی کے ہر پہلو پر غور کرتی ہے اور جہاں اس نے ٹھوکر کھائی ہے اس کی نشان دہی بھی کرتی رہتی ہے اور یہ عمل مسلسل جاری و ساری اور رواں دواں ہے ؛

اس کو یہی حکمت جو اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، جستجو، بحث و نظر اور کرید پر آمادہ کرتی ہے، کائنات میں کارفرما سالمات کی تحلیل کرتی ہے۔ دوسری طرف اس سے اخذ کردہ علوم کے فوائد اور مضمرات کی تحلیل کرتی ہے اور اس کے نتائج سے باخبر کرتی ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات میں کارفرما سالمات پر غور و فکر اور تجربہ کر کے بیش بہا معلومات فراہم کرتی ہے۔ قرآن حکیم انسان کے اندر ودیعت کردہ اسی عقل و فکر کو استعمال کرنے کی بار بار دعوت دیتا ہے۔ پوری کائنات میں غور کرنے کی دعوت کے ساتھ خود قرآن حکیم میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ کائنات میں غور کرنے والی حکمت جب خالقِ کائنات کے وجود کا اعتراف کرے گی تو خود قرآن حکیم کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک نہیں ہو سکتا کہ پوری کائنات کے نظام کے درمیان اور قرآنِ حکیم کے درمیان یکسانی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ عالم کے طبعی قوانین اور شریعت کے احکام الٰہی کے درمیان کامل یکسانی، اور ہم آہنگی موجود ہے: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ، اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں!) ؛

فلسفہ کا لفظ عربی زبان میں دوسری زبان سے آیا ہے، عربی الاصل نہیں ہے۔ یونانی لفظ "فیلیا اور صوفیا" کا مرکب ہے۔ فیلیا کے معنی محبت کے اور صوفیا کے معنی حکمت و علم کے ہیں۔ یعنی فلسفہ کے معنی محبت، علم و حکمت کے ہیں اور فیلسوف اور فلسفی کے معنی علم دوست اور محب العلم کے ہیں۔ اسی لئے فلسفہ کا موضوع ساری کائنات ہے، کیونکہ فلسفہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

ھی علم یبحث فیہ عن الشئ من حیث ما ھو علیہ! "یعنی ہر شے کی حقیقت سے بحث کرنا فلسفہ کا موضوع ہے، لیکن رفتہ رفتہ ہر شاخِ علم کا ایک علیحدہ نام رکھا گیا ہے۔ جیسے علمِ موسیقی، علمِ نباتات، علمِ جمادات، علمِ ہیئت، علمِ جغرافیہ، علمِ طبقات الارض وغیرہ وغیرہ۔ اب فلسفہ کا موضوع انسان کی ذات اور مابعد الطبیعات ہے۔ اب جو تجربہ و تحلیل کے بعد حقائق ثابتہ بن گئے ہیں انہیں سائنس کہا جانے لگا ہے ⁂

اور چونکہ خود انسان ایک عالمِ صغیر ہے، لہٰذا فلسفہ کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ انسان کا کردار، اخلاق، جذبات، شعور، احساس، خودی و بے خودی وغیرہ سب فلسفہ کا موضوع بن گئے۔ الٰہیات یا مابعد الطبیعات اس کا جوہری موضوع ہے کیونکہ مابعد الطبیعات کے مسائل تحت التجربہ نہیں آتے ⁂

یونانی فلسفیوں نے واجب الوجود کو عقلی طور پر ثابت کر کے اسے علّت اولیٰ یا علّت العلل قرار تو دیا لیکن صفات کی بھول بھلیوں اور ایک غلط مفروضہ کی وجہ سے قادرِ مطلق کو عاجزِ مطلق بنا دیا:

الواحد لا یصدر منہ الا الواحد کے مفروضہ کی بناء پر واجب الوجود اور علّت العلل سے صرف ایک شئے کی تخلیق ہوئی یعنی عقلِ اوّل۔ اس نے فلکِ اوّل اور عقلِ ثانی کو پیدا کیا، اس طرح یونانی فلاسفہ نے تخلیقِ کائنات کی گتھی سلجھانے کی کوشش کی اور آغازِ آفرینش کی بحث میں اُلجھ گئے۔ دوسری غلطی یہ کی کہ علّتِ اُولیٰ سے معلول کے وجود کو اضطراری قرار دیا، جس میں اس کے ارادہ کو دخل نہیں کیونکہ علّتِ اُولیٰ سے معلول کا صدور لازمِ عقلی ہے اور اس

سے تاخرِ زمانی نہیں ہو سکتا ورنہ وہ علتِ اولیٰ نہیں ہو سکتی،   علتِ اُولیٰ کو تقدمِ ذاتی تو ہوتا ہے مگر تقدمِ زمانی نہیں اسی وجہ سے فلاسفۂ یونان قدمِ عالم کے قائل ہو گئے ـــــ مَیں نے بہت اختصار کے ساتھ فلاسفۂ یونان ارسطا طالیس اور اس کے شاگردوں کے فلسفہ کا نچوڑ بیان کیا ہے۔ مدارسِ دینیہ میں اب بھی فلسفۂ یونان کو باضابطہ پڑھایا جاتا ہے اور بڑا قیمتی وقت ضائع کیا جاتا ہے ٭

قرآنِ حکیم وحدتِ الٰہ کی دعوت دیتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ کا اعلان کرتا ہے۔ اور شرک کو گناہِ عظیم اور ناقابلِ معافی جرم قرار دیتا ہے لیکن ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی بہت سی صفات بیان کرتا ہے وہ یکتا ہونے کے باوجود بیک وقت بہت سی صفات سے متصف ہے، وہ قدیر ہے، فعّالٌ لِّمَا یُرِیدُ ہے، سمیع و بصیر اور نور کی طرح ہر جگہ موجود اور غفور و رزّاق اور خالقِ کائنات ہے، صاحبِ ارادہ مُدبّر، عالم اور متصرّف ہے ـــ الغرض بے شمار صفات سے متّصف ہے۔ یہ تعدّدِ صفات جن کو اسماءِ حُسنیٰ کہا جاتا ہے، اُس کی وحدانیّت کے منافی نہیں ہے جیسا کہ یونانی فلسفیوں کا زعمِ باطل تھا ـــ قرآنِ حکیم نے یونانی فلسفیوں کی فلسفیانہ موشگافی کی تردید کر دی۔ ٭

(۴)

ذی علم حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ حقیقت شئے سے جس قدر بحث کی جائے، حقیقت نظروں سے اوجھل رہتی ہے، اور عقل اس کا صرف ادراک کرتی ہے۔ مگر اس کو حواسِ خمسہ سے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ جن اشیاء کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے یا ہاتھ سے لمس کر کے معلوم کرتے ہیں۔ اصل شئے مستور رہتی ہے، کیونکہ حواسِ خمسہ سے جو کچھ بھی ہم محسوس کرتے ہیں وہ شئے کے عوارض ہیں اصل ذات نہیں ہے۔ البتہ عوارض کے ذریعہ ہی ذات تک ہماری رسائی ہوتی ہے ایک مثال سے اس کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ ایک گلاب کا پھول اگر ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے تو اس کا رنگ اور اُس کی خوشبو دونوں کے واسطے سے ہم گلاب کے پھول کو جانتے ہیں، یا چھو کر، جیسے ہم نے دیکھا یعنی رنگ اور شکل

جسے ہم نے سونگھا یعنی خوشبو، اور جس کو ہم نے چھُوا یعنی نرمی یا سختی وغیرہ یہ سب عوارضِ ذات ہیں ذات نہیں، ذات انہیں صفات میں مستور ہے۔ اِن چند تمہیدی سطروں کے بعد میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ذاتِ الٰہی کا ادراک بھی اس کی صفات یعنی اسماءِ حسنیٰ کے ذریعہ ہوتا ہے اور حواسِ خمسہ کے ذریعے ذات کو محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسی وجہ سے قرآنِ حکیم نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو مفصّل بیان کرکے اس کی ذات کا ادراک کرایا ہے اور اس کی تمام صفات کو بار بار بیان کیا گیا ہے۔ اور آیت : لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ اِس حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے۔

" ایمان بالغیب" اسلامی تعلیمات کا مرکزی نقطہ ہے، اور اسی ایمان بالغیب کی دعوت دی جاتی ہے اور یہی انبیاء علیہم السّلام کا بنی آدم سے مطالبہ رہا ہے۔ آن دیکھے خدا پر ایمان، آن دیکھے فرشتوں پر ایمان، آن دیکھی جنّت و جہنّم کے وجود پر ایمان، مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر ایمان۔ یہ سب عالمِ غیب کی باتیں ہیں جنکا ادراک تو ہوتا ہے مگر حواسِ خمسہ کے ذریعے اس عالمِ ناسوت میں محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ خالقِ کائنات نے اپنے وجود پر کائنات کے ذرّہ ذرّہ سے، آفتاب و مہتاب کی گردش سے، ہواؤں، بحر و بر اور ابر و باد اور روئیدگی سے استدلال کیا ہے اور اس کا ادراک کرایا ہے۔ درحقیقت تمام اشیاء کے حقائق کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی شے کی حقیقت کو کوئی محسوس نہیں کرتا بلکہ عقل سے ادراک کرتا ہے۔ بجلی کی رَو ہو یا روشنی کی کرنیں یا ہَوا کا بہاؤ، ان میں سے ہر ایک کا ادراک ہوتا ہے۔ جو اثرات ہماری آنکھ دیکھتی ہے یا قوّتِ لامسہ محسوس کرتی ہے یا دوسرے حواس سے ہم محسوس کرتے ہیں، وہ سب ذات کی نشان دہی کرتے ہیں، وہ سب صفات ہیں ذات نہیں۔ ذات درحقیقت ان ہی صفات کے پردہ میں جلوہ گر ہوتی ہے، جو ماوراءِ حواس ہیں تعدّد صفات یا جہات کو وحدتِ ذات کے خلاف دلیل بنانا درحقیقت یونانی فلاسفہ کے مفروضے ہیں جو مدارسِ دینیہ میں کئی صدیوں سے پڑھائے جاتے ہیں اور اس یونانی نظریہ پر عقلی دلائل کا انبار لگایا جاتا ہے۔ جو درحقیقت ایک مفروضہ سے زیادہ نہیں۔ اس پر کوئی عقلی دلیل نہیں دی جاسکتی۔ قرآنِ حکیم اس کے

برخلاف ایک اِلٰہ کے وجود پہ ایمان کی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے شرک سے منع کرتا ہے اور شرک کو ناقابلِ معافی جرم اور ظلم قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی ننانوے ۹۹ صفات بیان کرتا ہے، جسے اسماءِ حسنیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ بیک وقت رحمٰن، وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ساتھ صاحبِ ارادہ، صاحبِ قدرت ہے، سمیع و بصیر اور فعّالٌ لّما یُرید ہے، وہ رحمٰن و رحیم اور غفور و شکور ہے۔ اور تعدّدِ صفات کی بناء پہ ذاتِ اِلٰہ کو مرکّب نہیں کہا جا سکتا کہ ہر انسان جو نوعِ انسانی کی ایک کائی ہے، بہت سی صفات کا حامل ہونے کے باوجود اپنی وحدت کو گم نہیں کرتا۔ اس بدیہی دلیل کے ہوتے ہوئے یونانی فلاسفہ صفات کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر قادرِ مطلق کو عاجز سمجھ بیٹھے۔

قرآنِ کریم کا اصل موضوع نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی ہے اور مابعد الطبیعات سے تفصیلی بحث کرنا ہے، مگر ضمنی طور پر طبیعات کے مسائل پہ بھی کہیں اجمالی اور کہیں تفصیلی روشنی ڈالتا ہے اور اس کائنات سے متعلق بہت سی ایسی باتیں بیان کی ہیں کہ اس سے قبل انسان نے ان کو اپنا موضوعِ بحث نہیں بنایا تھا، اور مابعد الطبیعات کے وجود پہ دلیل لاتا ہے اور ایمان بالغیب کی دعوت دیتا ہے۔

(۵)

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ : ہر ذی حیات کی آفرینش کا عنصرِ اوّلین پانی کو ظاہر کیا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی اب تصدیق ہو گئی اور کائنات میں بکھرے سالمات کی جب تحلیل کی گئی تو ہر ذی حیات کی آفرینش کا جوہری عنصر پانی کو قرار دیا۔ اس طرح قرآنِ حکیم نے ارشاد فرمایا خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ہر ایک شے کو جُفت جُفت پیدا کیا ہے۔ پانی کے دو عنصر سے کہ ہر درخت میں نر و مادہ کے اجزاء پائے جاتے ہیں، رات دن، روشنی و تاریکی، مرد و عورت کے علاوہ پرندچرند اور درند میں زوجیّت کے وجود پہ کسی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ لیکن کائنات کی تمام اشیاء حتّٰی کہ نباتات و جمادات میں زوجیّت کا نظریہ قرآن نے پیش کیا ہے۔ اور مسلمان سائنس دانوں کے لئے تجربہ کرنے کا بڑا میدان موجود رہا ہے، مگر صدیوں سے مسلمان قومیں آپس میں دست و گریبان ہونے کی وجہ سے علومِ جدیدہ کی طرف توجہ نہیں دے

سکیں بلکہ اُن کی صلاحیّتیں ضائع ہوتی رہیں۔ اگر مسلمان فلاسفہ، علم دوست اور دانشور قرآنِ حکیم کا بہ نظرِ غائرہ مطالعہ کرتے تو انہیں جدید علوم پہ کام کرنے کیلئے بہت سے مواقع ملتے ــــ سورۂ معارج میں اللہ فرماتا ہے :

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (فرشتے اور روح اس ذات تک عروج کرکے جاتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے !) اگر فرشتے جو نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کی رفتار بھی کائنات میں موجودہ شعاعوں کی رفتار کے برابر مان لی جائے یعنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سے حساب کیا جائے تو کئی ہزار نوری سال کی مسافت بنتی ہے۔ اس سے کائنات کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور کائنات کی عظیم طولانی وپہنائی کا اسلامی نظریہ پیش کرکے قرآنِ حکیم کی بتائی ہوئی کائنات میں تجربہ کے بے شمار مواقع پیدا کئے جاسکتے تھے قرآنِ حکیم ملکوت السمٰوٰت والارض، زمین و آسمان میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا قرآنِ حکیم کا اصل موضوع نوعِ انسانی کی کامل رہنمائی ہے اور اس کا اصل مضمون مابعد طبیعات ہے۔ اور انسان کی زندگی عارضی طور پہ فنا سے دوچار ہوتی ہے مگر اس کی زندگی کا صرف ایک رخ آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے، لیکن زندگی کا دوسرا رخ مرنے کے فوراً بعد شروع ہوجاتا ہے۔ قرآنِ حکیم پہلے رخ کے متعلق کامل ہدایت دے کر دوسرے رخ کو واضح کرتا ہے۔ یہ وہ رُخ ہے جو آنکھوں سے اوجھل ہے اور غیرمرئی اور تحت التجربہ نہ آنے والی حقیقت ہے اور "اسی زندگی" کا مشرکین زمانۂ قدیم میں انکار کرتے تھے اور عصرِ حاضر میں بھی انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ دوسری زندگی جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے اس کا تجربہ کرکے تصدیق نہیں ہوئی ہے ــ قرآنِ حکیم نے متعدد مثالوں کے ذریعے مرنے کے بعد بقاء روح اور قیامت میں اعادہ جسد پہ دلیل دی ہے۔ کہیں بارش کے بعد سوکھی اور خشک زمین میں گھاس اور پودوں نباتات اور کھیتوں کے لہلہانے سے استدلال کیا ہے۔ کہیں اس کے عدم سے وجود میں آنے سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ جب انسان موجود

نہ تھا، پیدا کیا تو دوبارہ اسے کیوں نہیں زندہ کر سکتا، حالانکہ دوبارہ زندہ کرنا پہلی بار سے زیادہ آسان ہے ــــ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ط کا قول نقل کر کے جواب دیتا ہے : بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ط کہیں کہتا ہے : اَلَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؛ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا وہ دوبارہ بھی زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم ضمنی طور پر اللہ کی قدرت کاملہ کے بیان کے سلسلہ میں آسمان و زمین، آفتاب و ماہتاب اور کواکب و نجوم کی تخلیق کا ذکر کرتا ہے، پھر اُن کے مسخر ہونے کا ذکر کرتا ہے ؛

پوری کائنات کا نظام گردشی ہے اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے محور پر گردش کر رہا ہے : كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ میں اسی طرف اشارہ ہے زمین اپنے محور پر، آفتاب اپنے محور پر، اسی طرح مہتاب اور دوسرے کواکب سیارے بلکہ جن ستاروں کو ثوابت سمجھا جا رہا تھا وہ بھی سیارے نکلے۔ کیونکہ اربوں، کھربوں میل کی دُوری کی وجہ سے ان ستاروں کی اپنے مدار پر گردش نظر نہیں آتی، مگر وہ بھی اپنے اپنے مدار پر گردش کر رہے ہیں : وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط اور اب ایٹم کے دقیق ذرّہ کو جو چیرا اور پھاڑا گیا تو اس میں بھی ایک منفی اور ایک مثبت طاقت ظاہر ہوئی دو سالمات نکلے اور ایک سالمہ دوسرے سالمے کے گرد گردش کرتا ہوا نظر آیا۔ اس سے قرآن کے اس بیان کی تصدیق ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز زوجین بنائی ہے۔ دوسرے نہ صرف ہر سیارہ اپنے مرکز کے اردگرد اپنے مدار پر گردش کر رہا ہے بلکہ ہر مادّہ جو قوتِ مرتکزہ کا دوسرا نام ہے (CONCENTERATED FORCE) متحرک ہے اور وہ زوجیت کا حامل و مظہر ہے ؛

یونانی فلاسفہ کی کتابوں کا جب عہدِ عباسی میں ترجمہ ہوا۔ اسحٰق بن حنین نے سریانی اور یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا تو ابو نصر محمد جو معلم ثانی کی حیثیت سے مشہور ہوا، یونانی فلسفہ کی ایسی تشریح کی کہ اصل کتابوں کے ناپید ہونے کے بعد عرصۂ دراز تک انہی عربی تراجم کے واسطے سے یونانی فلسفہ زندہ رہا اور بعد کو مستشرقین نے ان تراجم کے صحیح ہونے کی تصدیق کی۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے

چند کائناتی حقائق سامنے آتے ہیں۔ایک حقیقت یہ ہے کہ تخلیقِ کائنات کا آغاز نور سے ہوا ہے۔ روشنی حرارت کا مرکز ہے، نور سے نار بنا۔ نوری فرشتوں کے بعد جنّوں کو نار سے پیدا کیا گیا اور کروڑوں بلکہ اربوں نوری سال کے بعد نور و نار سے ہوا اور گیس اور ان سے پانی اور پانی سے تمام ذی حیات مخلوق پیدا کی : وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط اسی طرف اشارہ ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ درحقیقت نوری سالمات ہیں یعنی CONCENTERATED FORCE ہیں، اور ہر سالمہ کو اپنی اصل شکل میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ سورۂ معارج میں کائنات کی جو وسعت بیان کی گئی ہے، آسمان و زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا : وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ط ظاہر ہے کہ موجودہ گردش آفتاب یا گردش زمین سے جو دن بنتا ہے وہ یوم مراد نہیں کہ وجودِ آفتاب سے قبل آسمان و زمین کی تخلیق ہوئی ہے لہٰذا ان "ایّام" کی مدّت کا تخمینہ کرنا بہت مشکل ہے۔ کم از کم ایک دن کو اگر پچاس ہزار سال کے برابر مان لیا جائے تو بھی تین لاکھ برس کے برابر ہوتے ہیں۔ تو یہ تو تخلیق کی مدّت بنتی ہے، مگر اس کے بعد، کتنے عرصۂ دراز کے بعد زمین انسانی رہائش کے قابل بنی؟ اِس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، جو کچھ کہا جاتا ہے وہ ظن و تخمین سے زیادہ نہیں ؛

البتّہ یہ کرّۂ زمین جس پر ہم انسان آباد ہیں یہ آسمان سے یا دوسرے لفظوں میں کسی دوسرے سیّارہ کا ایک حصّہ تھا، اور کروڑوں برس کے بعد یہ زمین اس سے جدا ہو کر اپنے محور کے گرد گردش کرنے لگی : اَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ، وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط اس آیت سے صرف یہی نہیں معلوم ہوا کہ زمین کسی دوسرے سیّارہ کا حصّہ تھی۔ بلکہ کائنات میں اسی قسم کے دوسرے واقعات کا امکان ظاہر کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے اسی طرح دوسرے سیّارہ سے کوئی اور سیّارہ جدا ہو کر کائنات میں بنتا رہا ہو۔ حضرت آدمؑ جو ایک سیّارہ جنّت میں مقیم تھے انہیں اس کرّہ پہ اُتار دیا گیا۔ یقیناً کرّۂ ارضی کا مزاج نوعِ انسانی کی طبیعت کے موافق ہے۔ اس کرّہ کی آب و ہوا کائنات میں دوسرے تمام سیّاروں کے مقابلہ سے بہتر ہے، اور جنّت کے بعد اگر کوئی مقام خوشگوار آب و ہوا، حسین و جمیل منظر رکھتا ہے تو یہی زمین ہے ؛

قرآن کریم اور تجارت

از قلم: ڈاکٹر عبد الرزّاق اسکندر
مدرس، مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیو ٹاؤن، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل المال قیامًا للناس، واشھد أن لا إلٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ، أمر بکسب الحلال وأکل الطیبات وشرع وسائل الرزق، وجعل البیع وسیلۃ لکسب الطیبات، واشھد أن سیدنا محمدًا عبدہ ورسولہ، بیّن احکام البیع ورغّب فی الحلال صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ، نجوم الھدیٰ والاسوۃ الحسنۃ فی التجارۃ وکسب الحلال، امّا بعد!

قرآن کریم اور تجارت کے موضوع کو بیان کرنے سے پہلے چند امور کی طرف اشارہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے مال کو انسانی معیشت کا ایک اہم سبب قرار دیا ہے، ارشادِ باری ہے: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۤءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا "اور اے سرپرستو! تم اپنے وہ مال، جن مالوں کو اللہ نے تم سب لوگوں کے گزارے کا سبب بنایا ہے، بے وقوف اور ناسمجھ یتیموں کے سپرد نہ کرو!" اور کسبِ مال کیلئے مشروع وسائل کو اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اکلِ حلال اور انفاقِ طیبات پر زور دیا ہے، ارشادِ باری ہے:

(۲) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ (البقرۃ ۱۶۸)

اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، بلاشبہ وہ تمہا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ — کھلا دشمن ہے۔

اور فرمایا:

(۳) يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (البقرۃ : ۱۷۲)

اے ایمان والو! جو پاکیزہ روزی ہم نے تم کو عطا کی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ اگر تم اسی کے عبادت گزار ہو۔

اور فرمایا:

(۴) فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (النحل : ۱۱۴)

پس جو روزی تم کو اللہ نے حلال اور پاکیزہ دی ہے، اُس میں سے کھاؤ اور اللہ کے احسان کا شکر بجا لاؤ اگر تم اسی کے عبادت گزار ہو

اور فرمایا:

(۵) وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ (المائدہ : ۸۸)

اور جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اُس میں سے جو حلال اور مرغوب ہو وہ کھاؤ۔ اور اُس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

اکلِ حلال کا حکم تمام سابقہ شریعتوں میں موجود تھا، قرآنِ حکیم نے بنی اسرائیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ذکر کیا ہے:

(۶) كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى۔ (طٰہٰ : ۸۱)

جو ہم نے تم کو نفیس روزی دی ہے، اُسے کھاؤ اور اُس روزی میں حدِّ شرعی سے تجاوز نہ کرو ورنہ میرا غضب تم پر نازل ہو جائے گا اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوا تو وہ ہلاک ہو گیا!

اکلِ حلال کے بارے میں عام انسانوں کو ہی نہیں بلکہ انبیائے کرام علیہم السّلام کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

(۷) يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

اے پیغمبرو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ بے شک جو تم کرتے ہو سب کو خوب جانتا ہوں

(المومنون : ۵۱)

اِنفاق کے وقت طیّبات کے انفاق کا حکم

کسبِ حلال کے بعد انفاق کا حکم دیا، ارشاد ہے :

(۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ (البقرہ : ۲۶۷)

اے ایمان والو! اپنے کمائے ہوئے حلال مال میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمھارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں عمدہ چیزیں خیرات کیا کرو اور خراب و ناکارہ چیزوں میں سے خیرات کرنے کا قصد بھی نہ کیا کرو حالانکہ تم خود بھی ایسی ناکارہ چیز لینے والے نہیں۔ مگر ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تم اس کے لینے میں چشم پوشی سے کام لو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں اور سزاوارِ حمد و ثنا ہے!

کسبِ حلال کا حکم دیا اور کسبِ حرام، اکلِ حرام اور انفاقِ حرام سے منع فرمایا، ارشاد ہے :

(۹) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء : ۲۹)

اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال غیر شرعی طریق پر نہ کھاؤ۔

مالِ خبیث دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے خبیث ہو جیسے مردار، خنزیر کا گوشت، خون اور شراب وغیرہ اور دوسرا وہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے تو پاک اور طیّب ہے اسے ناجائز اور غیر مشروع طریقے سے

کمایا گیا ہو۔ یہ مال بھی خبیث مال کے حکم میں ہے، جیسے سود، چوری اور رشوت وغیرہ سے حاصل شدہ مال۔ گویا قرآنی تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ کسبِ مال کے جتنے وسائل ہوں، چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی سب کا احکامِ شرع کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اور ان مشروع وسائل سے حاصل شدہ مال ہی پر طیبات کا اطلاق کیا گیا ہے۔

کسبِ حلال کے مشروع وسائل بہت ہیں، جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔ اُن میں چند وسائل یہ ہیں: تجارت، زراعت، اجارہ اور ملازمت، وراثت، مالِ غنیمت، شکار، ہبہ، خراج، جزیہ، معدنیات، صدقاتِ نافلہ، زکوٰۃ، عشر اور نذور مستحقین کے حق ہیں

اِن مشروع وسائل میں ایک اہم وسیلہ تجارت ہے۔ قرآن نے تجارت کی مشروعیّت اور ربا کی حرمت کا اس طرح اعلان فرمایا:

(۱) وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ: ۲۷۵) — حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔

تجارت کی مشروعیّت کے اعلان کے ساتھ قرآنِ کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ صحیحہ میں اس کے بعض اصول اور آداب بھی بیان فرمائے ہیں، جن کی پابندی ایک مسلمان تاجر کے لئے نہایت ضروری ہے۔

بیع و شراء میں جانبین کی رضامندی

اِن اُصول میں ایک اہم قاعدہ تجارت اور بیع و شراء کے وقت بائع اور مُشتری کی رضامندی کا ہونا ہے، اِرشاد ہے:

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النساء: ۲۹) — اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریق پر نہ کھاؤ، مگر ہاں وہ مال جو آپس کی خرید و فروخت سے باہمی رضامندی کے ساتھ ہو تو مضائقہ نہیں!

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ" یعنے

"بیع تو رضامندی سے ہوتی ہے!" ہاں اس حکم سے شفعہ مستثنیٰ ہے، جس کے مستثنیٰ ہونے پر دوسرے شرعی دلائل موجود ہیں۔

اسی طرح تجارت میں مبیع اور ثمن دونوں کا مال ہونا ضروری ہے۔ چاہے دونوں طرف سے اجناس کا تبادلہ ہو رہا ہو یا ایک طرف جنس ہو اور دوسری طرف نقد۔ لہٰذا وہ اشیاء جو شرعی طور پر حرام اور خبیث قرار دی جا چکی ہیں وہ مسلمان کے حق میں مال کی حیثیت نہیں رکھتیں، اور نہ کسی مسلمان کے لئے ان کی تجارت جائز ہے۔ جیسے شراب، خنزیر کا گوشت، مردار اور خون وغیرہ — ارشاد ہے:

(۲) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ (المائدہ: ۵)

تم پر مرا ہوا جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جو (تقرب کی نیت سے) اللہ کے سوا کسی دوسرے کیلئے نامزد کیا گیا ہو۔

اسی طرح اس حکم میں وہ تمام اشیاء داخل ہیں جن کی حرمت قرآن کریم یا احادیث نبویہ میں وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملک میں کسی مسلمان کو حرام چیزوں کی تجارت کی اجازت نہ دے اور خلاف ورزی کرنے والے مسلمان کو سخت سزا دے

تجارت اور لین دین میں کتابت کی اہمیت

تجارت میں کبھی جانبین کی طرف سے نقد معاملہ ہوتا ہے اور کبھی ادھار پر لیا جاتا ہے، اور اس کی ادائیگی کے لئے ایک وقت اور معینہ مدت مقرر کی جاتی ہے، اور شرعاً ایسا معاملہ جائز ہے، ماسوا چند صورتوں کے جن کا تعلق اُن اشیاء سے ہے جن میں ربا کا خطرہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے ایسے معاملات کو لکھنے کا حکم دیا ہے، اور اس سلسلہ میں جو آیت نازل ہوئی ہے وہ قرآن کریم کی سب سے لمبی آیت ہے۔ اس طرح کا حکم دے کر قرآن کریم نے ان تمام جھگڑوں کا سدِّباب کر دیا ہے جو تحریری دستاویز نہ ہونے کی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ
بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا
يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا
عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ
فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ
بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا
شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ
فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ
فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ
اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ
وَلَا تَسْـَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ
صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

اے ایمان والو! جب تم ایک
مقررہ مدت کے لئے قرض کا
معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا
کرو۔ اور لکھنے والے کو چاہیئے
کہ وہ تمہارے مابین انصاف کے
ساتھ لکھ دے اور کاتب لکھنے سے
انکار نہ کرے بلکہ جیسا کچھ اللہ تعالیٰ
نے اُس کو سکھایا ہے اس کے موافق
لکھ دیا کرے۔ اور جس کے ذمہ
حق ہے یعنی مدیون خود دستاویز
کا مضمون لکھوائے۔ اور اس سے
مدیون کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے
ڈرتا رہے جو اس کا پروردگار ہے
اور لین دین کے حق میں کچھ کم نہ
کرے۔ پھر اگر وہ مدیون کم عقل
یا کمزور ہو یا دستاویز کا مضمون بتانے
اور لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا
ہو تو اس مدیون کا مختار کار انصاف
کے ساتھ لکھوا دے۔ اور تم
اپنے مردوں میں سے دو شاہدوں کو
گواہ کر لیا کرو، اور اگر دو مرد
میسر نہ ہوں تو جن گواہوں کو
قابل اطمینان سمجھ کر پسند کرو ان میں
سے ایک مرد اور دو عورتیں
گواہ ہو جائیں تاکہ ان دونوں

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

عورتوں میں سے ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے - اور گواہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور تم دین کے کسی معاملہ کو اس کی مقررہ میعاد تک لکھنے سے اکتایا نہ کرو خواہ وہ دین کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو یہ میعادی دستاویز کا لکھ لینا اللہ کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے اور گواہی کے لئے بھی یہی طریقہ درست ہے اور اس بات سے بھی قریب تر ہے کہ تم کسی شک و شبہ میں نہ پڑ جاؤ- مگر ہاں کوئی سودا نقد اور دست بدست ہو جس کا تم آپس میں لین دین کیا کرتے ہو تو اس معاملے کے تحریر نہ کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور ہاں اس قسم کی خرید و فروخت کے وقت بھی احتیاطاً گواہ کر لیا کرو- اور کسی کاتب کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہوگی- اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تم کو باہمی معاملات کی تعلیم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے - اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور دستاویز لکھنے کو کاتب نہ پاؤ تو کوئی اور چیز با قبضہ رہن کر دی جائے اور اگر ایسے موقعہ پر تم میں سے ایک دوسرے کا اعتبار کرے تو جس شخص کا اعتبار کیا گیا ہے یعنی مدیون تو اس کو چاہیئے کہ اعتبار کرنے والے پورا پورا حق ادا کرے اور اُس اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اُس کا پروردگار ہے اور شہادت کو چھپایا نہ کرو اور جو شہادت کو چھپائے گا تو یقیناً اُس کا قلب مجرم ہوگا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سب سے واقف ہے ٭ (البقرہ ٢٨٢، ٢٨٣)

ناپ تول میں ایفاء کی اہمیّت

تجارت اور بیع و شراء میں ناپ تول اور ان کے پیمانوں کو بنیادی حیثیّت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے تجارت میں عدل و انصاف کو قائم رکھنے کے لئے میزان اور مکیال کی طرف انسانوں کی راہنمائی فرمائی اور انھیں یہ حکم دیا کہ جب تولیں تو سیدھی ترازو سے تولیں اور جب ناپ کریں تو پیمانہ پورا بھر کر دیں۔ سورۂ رحمٰن میں اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا:

(۱) وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (الرحمٰن: ۷-۹)

اور اسی نے آسمان کو بلند کر دیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تولنے میں بے اعتدالی نہ کرو، اور انصاف کے ساتھ سیدھی ترازو تولو اور تول کو گھٹاؤ مت یعنی کم نہ تولو!

اور انعام میں یوں بیان فرمایا:

(۲) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (الانعام: ۱۵۲)

اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو!

اور سورۂ شوریٰ میں اس طرح بیان فرمایا:

(۳) اَللّٰهُ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ (الشوریٰ: ۱۷)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے دین حق پر مشتمل کتاب اور ترازو یعنی عدل و انصاف کا حکم نازل فرمایا

اور سورۂ اسراء میں ایفائے کیل اور وزن کا حکم دے کر اس کے اچھے انجام کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

(۴) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (الاسراء: ۳۵)

اور جب ناپ کر دو تو پیمانہ کو پورا بھرا کرو اور تولو تو سیدھی ترازو سے تولو۔ یہ پورا ناپنا اور تولنا اچھی بات ہے اور اس کا انجام

بھی بہتر ہے!

ایفاءِ کیل اور وزن (ناپ تول کر پورا کرنا) ایک ایسا اہم حکم ہے جو تمام آسمانی شریعتوں میں چلا آرہا ہے۔ سورۂ حدید میں ارشاد ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ	بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ	واضح دلائل و احکامات دے
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ	کر بھیجا اور ہم نے ان کی معرفت
بِالْقِسْطِ (الحدید: ۲۵)	کتابیں اور طریقۂ عدل نازل

کیا تاکہ لوگ انصاف میں اعتدال پر قائم رہیں!

اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنا ایک بدترین اخلاقی و معاشرتی برائی ہی نہیں، بلکہ دوسروں کی کھلی حق تلفی بھی ہے اور ایسے ظلم و حق تلفی کی کسی مذہب و ملت اور کسی آئین و قانون میں اجازت نہیں ہو سکتی۔

کم تولنے، کم ناپنے، جھوٹ اور دھوکہ بازی کی ممانعت

قرآن کریم نے ایک عام قاعدہ بیان کر کے مسلمانوں کو ناحق ایذا دینے کو بڑا جرم قرار دیا ہے، چاہے وہ ایذاء قول سے ہو یا عمل سے۔ اسی کے ضمن میں تجارت میں وہ تمام بدعنوانیاں بھی داخل ہیں جن کے ذریعہ مسلمان کو مالی نقصان پہنچا کر ایذاء دی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اور جو لوگ مسلمان مردوں اللہ
وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا	مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے
فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا	کہ انہوں نے کسی جرم کا ارتکاب
مُّبِيْنًا	ہو، ایذا پہنچاتے ہیں تو یقیناً وہ

لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں ——— !!

اور سورۂ تطفیف میں صاف الفاظ میں ایسے لوگوں کے لئے ہلاکت کا اعلان کیا ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ	بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی
اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ	کرنے والوں کی کہ جب لوگوں

يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ
اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝
اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ
مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝
يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝

(المطففین : ۱، ۶)

سے پیمانہ ناپ کریں تو پیمانہ کو
پوری طرح بھر لیں - اور جب لوگوں
کو پیمانہ ناپ کر دیں یا تول کر دیں
تو کم کر یں - کیا ان لوگوں کو اس کا
یقین نہیں کہ وہ اس دن دوبارہ
زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جو
دن بڑا سخت ہے، جس دن تمام
لوگ ربّ العالمین کے روبرو کھڑے
ہوں گے !

قرآنِ کریم نے اس سلسلہ میں عبرت کے لئے گذشتہ اقوام میں سے اہلِ مدین کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، جو شرک و کفر کے ساتھ ناپ تول میں کمی کرنے کے جرم میں مبتلا تھے - حضرت شعیب علیہ السّلام نے نہایت بلیغ انداز میں ان کو اس جرم سے روکا، اور اسے فساد فی الارض سے تعبیر فرما کر اُن کو اس کے بُرے انجام سے ڈرایا - قرآنِ کریم نے یہ واقعہ کئی بار ذکر کیا ہے - سورہ ہود میں فرمایا :

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ،
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وَلَا
تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ
اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝
وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ
الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا
النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا
فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ
اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اور ــــ اہلِ مدین کی طرف ہم نے
اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا شعیب
نے کہا اے میری قوم تم اللہ ہی کی
عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا
کوئی معبود نہیں ہے اور تم پیمانہ
بھرنے اور تولنے میں کمی نہ کیا کرو
میں تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں
اور میں تم پر ایک ایسے دن کے عذاب
سے ڈرتا ہوں جو ہر قسم کے عذاب
کا جامع ہو گا - اور اے میری قوم
تم انصاف کے ساتھ پیمانہ پورا

وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ٥ قَالُوْا يَا شُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ٥

(هود ۸۴ ، ۸۷)

بھرا کرو اور پورا تولا کرو، اور لوگوں کو ان کی اشیاء میں نقصان نہ پہنچایا کرو اور زمین میں فساد نہ برپا کرتے پھرو، جو اللہ کا دیا ہوا نفع تم کو بچ رہا ہے، وہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے، بشرطیکہ تم مومن ہو اور میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں۔ یہ سُن کر قوم کے لوگ کہنے لگے، اے شعیب کیا تیری نماز نے تجھ کو ہمارے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت ترک کر دیں، جن کی عبادت ہمارے بڑے بوڑھے کرتے چلے آئے ہیں یا یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنے مال میں اپنے حسبِ دلخواہ تصرّف کرنا چھوڑ دیں۔ بے شک آپ ہی تو بڑے حلیم الطّبع اور نیک چلن ہیں۔

اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیع و شراء میں جھوٹ بولنے والے، ملاوٹ کرنے والے، دھوکہ دینے والے اور تجارت کو چمکانے کے لئے غیر شرعی وسائل اختیار کرنے والے پر سخت وعید فرمائی۔ چنانچہ آپؐ نے جھوٹ بول کر اپنی تجارت بڑھانے والے کے بارے میں فرمایا:

ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر اليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم۔ قال، فقد اعادها رسول الله صلى الله عليه وسلّم ثلاث مرات۔ قال ابوذر: خابوا وخسروا من هم يارسول الله؟ قال المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الكذب

(مسلم)

تین آدمی وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ بات کرے گا اور نہ ان کی طرف نظرِ رحمت کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے یہ بات تین بار دہرائی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ناکام ہوں اور خسران میں مبتلا ہوں۔ وہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ازار کو کبر سے نیچے لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور اپنے

اور دھوکہ بازی کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا — جو ہمیں دھوکہ دے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

اور ایک روز آپؐ غلّہ کے ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اُس میں ڈال کر دیکھا تو آپؐ کی انگلیاں پانی سے تر ہوگئیں۔ آپؐ نے غلّے والے سے فرمایا، یہ کیا ماجرا ہے؟ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ بارش سے بھیگ گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر تو نے اسے ظاہر کر کے کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھتے اس کے بعد فرمایا:

مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا — جو ہمیں (میری امت کو) کو دھوکہ دیگا وہ ہم میں سے نہیں ہے! (صحیح مسلم)

اسی طرح آپ نے تجارت میں "نجش" سے منع فرمایا ہے، اور نجش کی تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص خریداروں کو دیکھ کر خریدار کی شکل میں اس چیز کی زیادہ قیمت بتا کر خریدنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اس کی نیّت خریدنے کی نہیں، بلکہ اس طرح وہ خریداروں کو پھنسانا چاہتا ہے۔ چونکہ یہ دھوکہ بازی ہے اس لئے آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا۔

ناپ تول میں احسان اور اخلاق کا دائرہ

ناپ تول میں برابر ناپنا اور پورا تولنا اصل قانون ہے اور یہی عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ لیکن اسلام میں قوانین اور احکام کے ساتھ ساتھ اخلاقیات اور احسان کا سلسلہ بھی ملا ہوا ہے۔ اس لئے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایفاء کیل و وزن کے ساتھ یہ تعلیم بھی دی ہے کہ وزن کرنے والا جب وزن کرے تو جھکتا ہوا تولے۔ آپؐ کا گزر ایک تاجر کے پاس سے ہوا، اُس کا آدمی غلّہ وغیرہ وزن کر رہا تھا۔ آپؐ نے وزن کرنے والے سے مخاطب ہو کر فرمایا:

زِنْ وَأَرْجِحْ — تولو اور جھکتا ہوا تولو۔

اور آپؐ نے خود بھی اس پر اس طرح عمل کر کے دکھایا کہ ایک بار آپؐ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ سے اونٹ خریدا، اور جب اس کا معاوضہ ادا فرمایا تو جھکتا تول کر دیا۔ گویا جھکتا تولنے کی عادت، کم تولنے اور ناپنے کے مرض کا تریاق ہے

جو قوم اس ہدایتِ نبویؐ پر کاربند ہوگی وہ ان شاء اللہ ناپ تول میں کمی کی وبا سے محفوظ رہے گی۔ اِس سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوگا کہ اسلام اپنی اخلاقی اور روحانی تعلیمات کے ذریعہ انسانی قدروں کی حفاظت کرنا چاہتا ہے، اور انسانی اخلاق کو بگاڑنے والی چیزوں کے خلاف تریاق مہیا کرتا ہے۔

- **جانبین میں سے کسی ایک کے نادم ہونے پر دوسرے کا بیع کو ختم کر دینا۔ !!**

بیع و شراء میں بائع اور مشتری میں ایجاب و قبول کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جانبین کو عقد توڑنے کا حق قانونی طور پر باقی نہیں رہتا، ہاں اگر سامان میں عیب نکل آئے، یا اسے دیکھا نہ تھا، یا عقد میں اختیار کی شرط لگائی تھی، تو ان صورتوں میں عقد کو قانوناً ختم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک چیز خریدتا ہے، اور اس میں کوئی عیب وغیرہ بھی نہیں ہوتا لیکن وہ اس عقد پر نادم ہو جاتا ہے، اور عقد کے لازم ہونے کی وجہ سے اسے سامان واپس کرنے کا حق نہیں ہوتا تو یہاں تاجر کو اسلام ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے اس قانونی حق سے دست بردار ہو کر عقد کو ختم کر دے اور بیچی ہوئی چیز واپس لے لے اور اس کے بدلے اس کے لئے آخرت میں نیک اجر کا وعدہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من أقال مسلما بيعته اقال الله عثرته يوم القيامة (ابوداود، ابن ماجہ مستدرک)	جو شخص مسلمان کی بیع کو واپس کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں کو قیامت کے روز معاف کر دے گا۔

بیع و شراء میں جانبین کیلئے نرمی اور فیاضی کی ترغیب

مسلمان چاہے تاجر ہو یا خریدار اسے ایک دوسرے کے ساتھ نرمی اور فیاضی سے پیش آنا چاہیئے، ایسے شخص کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے آپؐ نے فرمایا: رحم اللہ رجلاً سمحاً اذا باع واذا اشتری واذا اقتضی (بخاری): "اللہ رحم کرے اس شخص پر جو نرم مزاج ہو بیچتے وقت، خریدتے وقت،

اور جب کسی سے اپنے حق کا تقاضا کرے۔

اور ایسے شخص کو آخرت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا :

من أنظر معسرًا أو وضع له	جس شخص نے تنگ دست کو مہلت دی
أظله الله يوم القيمة تحت	یا اُسے معاف کر دیا قیامت کے روز
ظل عرشه يوم لا ظل إلا ظله	اللہ اُسے اپنے عرش کے سائے تلے جگہ
(ترمذی)	دیں گے جس دن اس کے بغیر کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔

اور آپؐ نے ایک ایسے شخص کا واقعہ بیان فرمایا، جس کو اللہ نے مال کی نعمت دی تھی۔ مرنے کے بعد اسے اللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اللہ نے فرمایا : تو دُنیا میں کیا کام کرتا رہا ؟ بندے نے کہا اے میرے پروردگار ! آپ نے مجھے مال عطا فرمایا، میں لوگوں کے ساتھ لین دین کرتا تھا اور میرا معمول یہ تھا کہ میں فیاضی سے کام لیتا تھا، میں مالدار کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کرتا اور تنگ دست کو مہلت دیتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس صفت کا اس بندے کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہوں۔ اس کے بعد فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کو معاف کر دو۔ (مسلم شریف)

جس طرح تاجر کو حسن طلب کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح خریدار کو ادائیگی کے وقت حسنِ ادا کی ترغیب دی گئی ہے۔ روایات میں ہے کہ ایک شخص آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حق کا تقاضا کرنے لگا اور اس میں اس نے شدت کا لہجہ اختیار کیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس شخص کو اس گستاخی پر تنبیہ کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، صاحبِ حق کو بات کرنے کا حق حاصل ہے۔ پھر فرمایا اسے اتنی ہی عمر والا اونٹ دے دو جتنا اس سے لیا گیا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس تو اس سے بھی عمدہ قسم کا اونٹ موجود ہے، آپؐ نے فرمایا اسے دے دو۔ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو حق کے ادا کرنے میں اچھا ہو۔

<u>مسلمان تاجر کی صفات</u> : قرآنِ کریم میں جہاں معاملات کا ذکر ہوتا ہے وہاں

ایمان، اخلاق اور آخرت کو بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں مسلمان کے لئے ایمان اور اخلاق سے الگ تعلق ہو کر معاملات کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے قرآن کریم معاملات کے ساتھ جا بجا ایمان اور آخرت کے تصور کو پیش کرتا ہے تاکہ ہر مسلمان کا ضمیر زندہ رہے اور ایمان قوی ہو جو اسے زندگی کے ہر موڑ پر خود کنٹرول کرتا رہے اور اس کے ہر کام میں توازن اور اعتدال برقرار رہے۔ قرآن کریم نے ایسے مسلمان تاجروں کی تعریف اس طرح بیان فرمائی:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

(النور: ۳۷-۳۸)

جن لوگوں کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ کسی قسم کی خرید غافل کرتی ہے اور نہ کسی قسم کی فروخت وہ لوگ ایک ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل پلٹ جائیں گے، اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔ ان لوگوں کے ان نیک کاموں کا انجام یہ ہوگا کہ خدا ان کو اور زیادہ بھی دے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، بے حساب روزی دیتا ہے!

گویا ایک مسلمان تاجر کی صفت یہ ہے کہ وہ تجارت میں اتنا منہمک نہیں ہوتا جس سے حقوق اللہ ضائع ہو جائیں۔ سورۂ جمعہ میں اسی لئے فریضۂ نماز کے وقت بیع کو ترک کرنے کا حکم اور خلاف ورزی پر نکیر فرمائی ہے، فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ

اے ایمان والو! جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان دی جائے، تو تم خدا کی یاد کے لئے بلا تاخیر چل کھڑے ہوا کرو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ بات تمہارے لئے بہت بہتر ہے، بشرطیکہ تم کو کچھ سمجھ ہو۔ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو اختیار ہے کہ تم زمین پر

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (الجمعۃ: ۱۱)

چلو پھرو اور اللہ کا فضل یعنی اُس کی روزی تلاش کرو۔ اور اللہ کو بکثرت یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور یہ لوگ جب کوئی تجارتی قافلہ یا کوئی تماشے کی بات دیکھتے ہیں تو اس کے لئے منتشر ہو جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے، اور اللہ سب روزی دینے والوں سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

اور سورۂ توبہ میں اس بات پر سخت وعید فرمائی کہ مسلمان تجارت اور دوسرے اسبابِ دنیا میں اتنے مشغول ہو جائیں کہ دین کے دوسرے فرائض ضائع ہونے لگیں۔ فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
(التوبہ : ۲۴)

(اے پیغمبرؐ) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تجارت جس کی نکاسی کا وقت نکل جانے سے ڈرتے ہو، اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو۔ اگر یہ سب چیزیں تم کو اللہ سے اور اُس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کی رہبری نہیں فرماتا ۔

مسلمان تاجر کی ایک امتیازی صفت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے معاملات میں سچا اور امانتدار ہوتا ہے۔ اُس کا مقصد اپنی تجارت کو اسلام کے صحیح اُصولوں پر چلانا ہوتا ہے، چاہے اُسے تھوڑا نفع حاصل ہو یا زیادہ۔ ایسے سچے اور امانتدار تاجر کیلئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری سنائی ہے :

التاجر الصدوق الامین مع	سچے اور امانتدار تاجر کا مقام قیامت کے روز
النبیین و الصدیقین والشھداء	انبیاءِ کرام صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

آخر میں اس مختصر مقالہ کو ایک مثال پر ختم کرتا ہوں جو ایک سچے امانتدار اور تاجر کی بہترین مثال ہے اور جس کی زندگی مسلمان تاجر کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی اہلِ علم سے مخفی نہیں ہے۔ آپؒ اس کے ساتھ ایک تاجر بھی تھے۔ اگرچہ آپ کا سارا وقت علم اور خدمتِ دین میں گزرتا، لیکن آپ نگرانی فرماتے تھے اور آپ کا شریک جو نہایت امانتدار اور آپ کا عزیز بھی تھا، تجارت کا کاروبار چلاتا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں چار ایسی صفات پائی جاتی تھیں، جن کا تعلق تجارت میں لوگوں کے ساتھ معاملات سے تھا، اور جن کی بنا پر وہ ایک باکمال تاجر کی مثال تھے، جیسے وہ علماء میں اپنا یکتا مقام رکھتے ہیں۔

۱۔ آپؒ غنی النفس تھے، آپ پر طمع ولالچ غلبہ حاصل نہیں کر سکا، جس سے انسان فقرِ نفس کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۲۔ آپؒ نہایت امانتدار تھے۔

۳۔ آپ نہایت فیاض تھے اور اللہ نے آپ کو بخلِ نفس سے محفوظ رکھا تھا

۴۔ آپ دیانت کے اونچے مقام پر تھے، نہایت عبادت گزار، دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت میں مشغول رہتے۔

اِن صفاتِ حسنہ کا اثر اُن کے تجارتی معاملات پر پڑتا تھا، جس کی وجہ سے تجّار میں آپ ایک انوکھی مثال تھے۔ اسی بنا پر بہت سے حضرات نے آپ کو تجارت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تشبیہ دی ہے۔

آپؒ خرید و فروخت دونوں حالتوں میں امانت اور خیر خواہی کے اصول پر چلتے تھے۔ ایک عورت ایک ریشمی کپڑا فروخت کرنے کے لئے لائی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، کتنے میں فروخت کرتی ہو، کہنے لگی ایک سو درہم میں آپ نے فرمایا اُس کی قیمت اس سے زیادہ ہے، کتنے میں دو گی، وہ ایک سو بڑھاتی گئی

یہاں تک کہ چار سو تک پہنچ گئی۔ آپؒ نے فرمایا یہ چار سو سے بھی زیادہ کا ہے۔ عورت نے کہا آپ مجھ سے مزاح کرتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا کسی اور شخص کو لے آؤ جو اس کی قیمت کرے۔ چنانچہ وہ ایک شخص کو لائی۔ آپؒ نے اُس سے پانچ سو درہم میں وہ کپڑا خریدا۔ یہ ہے امانتداری، کہ فروخت کرنے والے کی غفلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ اس کے لئے خیر خواہ بن کر اس کی صحیح رہنمائی کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایسے تاجر تھے جن میں شفقت اور ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جب وہ دیکھتے کہ خریدار غریب ہے یا دوست ہے تو مال پہ نفع نہیں لیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے پاس ایک بڑھیا آئی اور کہنے لگی میں غریب ہوں، آپؒ امانتداری کے ساتھ یہ کپڑا جتنے میں آپ کو پڑا ہے مجھے فروخت کر دیں۔ آپؒ نے فرمایا چار درہم میں لے لو۔ وہ کہنے لگی آپ میرے ساتھ مزاح نہ کریں، میں ایک بوڑھی عورت ہوں۔ تو آپؒ نے فرمایا بات یہ ہے کہ میں نے دو کپڑے خریدے تھے جن میں سے میں نے ایک کپڑا اتنی قیمت میں سے چار درہم کم میں فروخت کر دیا ہے، جتنی قیمت میں میں نے لیا تھا۔ تو یہ کپڑا مجھے گویا چار درہم میں پڑا۔ اس طرح کے بہت سے واقعات آپ سے منقول ہیں۔ بیشک اس طرح کے معاملات کو بیع کے بجائے سخاوت اور فیاضی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یا یوں کہیئے کہ یہ سخاوت تھی جس کو صرف بیع و شراء کا نام دیا گیا تھا لیکن اس سے اس عظیم تاجر کے اخلاق، امانتداری، دیانتداری اور وفا کا پتہ چلتا ہے۔ آپ تجارت میں گناہ تو گناہ شبہات سے بھی دور رہتے تھے۔ اگر مال میں ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو پورے مال کو فقراء پر تقسیم کر دیتے۔ ایک بار آپ نے اپنے شریک حفص بن شریک کے پاس کچھ سامان بھیجا اور اسے بتایا کہ اس تھان میں کچھ عیب ہے اور اسے تاکید کی کہ فروخت کرتے وقت خریدار کو یہ عیب ضرور بتلا دے۔ حفص نے وہ تھان فروخت کر دیا اور عیب بتانا بھول گئے اور خریدار کو پہچان بھی نہ سکے۔ امام صاحب کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے پورے سامان کی قیمت صدقہ کر ڈالی۔

اس تقویٰ اور احتیاط کے باوجود آپ کو تجارت سے کافی نفع حاصل

ہوتا، جس کا اکثر حصّہ آپ علماء اور محدّثین حضرات پر خرچ کرتے، آپ کا یہ معمول تھا کہ سال بسال تجارت کا نفع جمع کرتے۔ اس سے اپنی ضروریات کے ساتھ علماء اور محدّثین کی ضروریات اور ان کے لئے غلّہ خرید تے اور جو بچ جاتا وہ ان کی خدمت میں پیش کر دیتے اور اُن سے فرماتے آپ یہ رقم اپنی ضروریات میں صرف کریں، اور صرف اللہ کی تعریف کریں۔ میں آپ کو اپنا مال نہیں دے رہا۔ بلکہ یہ صرف اللہ کا فضل ہے جو آپ کی وجہ سے مجھے ملتا ہے۔

اس طرح اسلامی تاریخ میں اعلیٰ اخلاق والے تجّار کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جنھیں اختصار کی غرض سے چھوڑ دیا گیا۔ آخر میں اختصار کے ساتھ چند تجاویز پیش کرتا ہوں :-

۱- ہماری اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ مملکت میں کسبِ مال کے جتنے غیر شرعی وسائل کام کر رہے ہیں، انہیں ختم کرنے کی تدابیر اختیار کرے۔

۲- جتنے مشروع وسائل کسبِ مال کے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کرے اور اس میں عوام کا تعاون کرے۔

۳- تجارت کی حوصلہ افزائی کرے، اور تجارت کو اسلامی منہج پر چلانے کے لئے ماہرینِ تجارت اور فقہاءِ اسلام کا ایک بورڈ مقرّر کرے جو موجودہ تجارتی ڈھانچے کی اصلاح کرے اور اس میں جو خلافِ اسلام صورتیں رائج ہیں ان کو درست کرے۔

۴- حکومت اپنے نشر و اشاعت کے وسائل کے ذریعہ نیز اسلامی مسائل علماءِ کرام جمعہ وغیرہ کے مسائل و مواعظ میں اسلام میں تجارت کے قواعد کو بیان کریں اور تجّار کی اخلاقی اور ایمانی تربیت کے لئے مناسب تدابیر کی جائیں اور اسلامی تاریخ میں مشہور تجّار کے اخلاقی اور ایمانی نمونے بکثرت پیش کئے جائیں، نیز کتابی شکل میں بھی یہ سب اُصول تاجر حضرات میں تقسیم کئے جائیں۔

۵- جس طرح بعض چیزوں کی خرید و فروخت کے لئے حکومت لائسنس جاری کرتی ہے، اسی طرح تجارت کے ضروری مسائل جاننے کے لئے ایک سند جاری کی جائے کہ یہ شخص اس کاروبار سے متعلّق ضروری مسائل سے واقف ہے۔ روایات

بقیہ صفحہ ۶۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مقالات قرآن کانفرنس

سیاسی ادارے، اصطلاحیں، عملی تقاضے اور قرآن حکیم

از: جناب نیاز احمد خان، ایڈووکیٹ، کراچی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۝ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ
وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝

اسلامی نظام کے قیام کا تذکرہ چھڑے گا تو اسلامی سماج کی بات اُٹھے گی اگر سوسائٹی اسلام کے رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہو تو وہ نظام کیونکہ قائم ہو گا کشتِ ویراں سے لہلہاتی فصل کا حاصل ہو گی۔ کسی مندر کے نقشے پہ کوئی مسجد کس طرح تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اگر مندر یا کلیسا بنا کر یہ سمجھا جائے کہ مسجد کی تعمیر ہو گئی تو اس سادہ لوحی کو کیا نام دیا جا سکتا ہے، جہل خرد کہہ لیجئے۔

لہٰذا پوری سوسائٹی کی تنظیم ان بنیادوں پہ کرنا ہو گی جو اللہ کے فرمان، اُس کے رسول ؐ کے اُسوۂ حسنہ کے بلیو پرنٹ کے مطابق ہو جس کا مزید عملی نمونہ خلفائے راشدین نے پیش کیا۔ یا جس کی جھلکیاں ہمیں کرمکِ شب تاب کی طرح تاریخ کے اوراق میں ان حکمرانوں کی زندگی سے ملتی ہیں جنھوں نے اس کی پیروی کرنے کی سعی کی، ورنہ منافقت کی روش سے نہ پہلے کبھی بھلا ہوا نہ آئندہ ہو گا۔ صراطِ مستقیم انعام یافتہ گروہ کی ٹرافی ہے۔ گمراہ اور مبغوض اِس راہ تک نہیں پہنچ سکتے، ان کی تو راہ ہی جدا ہے، جس کو شیطان خوش رنگ، دلفریب اور نظر نواز آرائشی محرابوں، جھنڈیوں اور قمقموں سے مزین کئے ہوئے ہوتا ہے، منزل اس کی کیا ہے کسے نہیں معلوم ؟

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نظامِ اسلامی کا سیاسی نظام بھی اسی وقت

رحمت و برکت کا سبب ہوگا، جب اُس کی اُٹھان حقیقی قرآنی بنیادوں پر ہوگی پیوند کاری سے مطلوب نتیجہ حاصل نہیں کیا جا سکتا، اس کی بیّن مثال خود اپنا ملک ہے جہاں اس کی پیدائش سے آج تک اسلامی نظام کا جامہ وضع کرنے کا مژدہ سنایا جا رہا ہے، لیکن ہنوز انتظار ہے۔ کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ حدود آرڈی ننس نافذ تو ہو گیا ہے لہٰذا اسلامی نظام نافذ ہو گیا۔ تو یہ عرض کر دینا کافی ہوگا کہ یہ ایک مغالطہ ہے۔ اوّلاً حدود اسلام کے تعزیری قانون کا حصہ ہیں، سارا تعزیری قانون نہیں۔ ثانیاً پورا معاشرہ تو بگاڑ کا شکار ہے محرّک بگاڑ دنیا پر تو کوئی روک نہیں، معاشی استحصال جاری ہے۔ بے حیائی و بے شرمی کا پرچار جاری ہے تو حدود کیونکر نافذ ہو سکیں گے۔ جس ڈگر پر کاروبارِ حیات پہلے رواں تھا اب بھی اسی پہ جادہ پیما ہے، فرق اگر ہے تو یہ کہ اب کاغذوں کے ماتھے پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!" کی مہر ہوتی ہے ٭

میرے نزدیک اس کی ایک بڑی وجہ ٹھیٹھ طریقے اور بے باک انداز سے سیاست کی قرآن و سنّت کے مطابق صورت گری نہ کر پانا ہے۔ بُرا ہو سیکولرازم کے رومانس کا، جس کی وجہ سے منزل کا نشان روشن نہیں ہو پا رہا۔ اس سے پہلے کہ میں عرض کروں کہ میرے نزدیک قرآن ریاست کو کس طرح کا سیاسی ادارہ دیتا ہے۔ یہاں ایک بات اختصار سے نوٹ کر لیجئے کہ لادینی ریاستوں کا مطمحِ نظر اس ارضِ ناپائیدار سے پرے نہیں۔ جبکہ اسلامی ریاست کی نگاہ دنیا اور آخرت دونوں پہ ہوتی ہے، لہٰذا دونوں کے خمیر اور ضمیر میں بنیادی فرق ہے۔ آخرت اور دنیا کس طرح دوش بدوش ہیں مطلوب ہیں، نبیؐ کا فرمان سُنئے:

"تم میں اچھا آدمی وہ نہیں جو اپنی دنیا کو آخرت کے لئے ترک کر دے، اور آخرت کو دنیا کے لئے ترک کر دے۔ بلکہ وہ بہتر ہے جو دونوں کو لے کر چلے، کیونکہ دنیا آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے!" (ابن عساکر عن انس)

مزید ارشاد ہوتا ہے:

"تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی دنیا سے اپنی آخرت درست کر لے اور

اپنی آخرت سے اپنی دنیا درست کرلے!" (منتخب کنز العمال)

قرآنی ریاست : سب سے پہلا مسئلہ اقتدارِ اعلیٰ کا پیدا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے اس فرمان سے طے ہوگیا : اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (حکم صرف اللہ ہی کا ہے) یہ تصورِ اقتدار مروّجہ اور معروف نظریۂ اقتدار سے ممتاز ہے اور اپنی بنیاد میں انقلابی اس اقتدار کا نفاذ اللہ کی زمین پر انسانوں کے ذریعے سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ امر انسانوں کو مقتدرِ اعلیٰ (SOVERIGN) یا قوّت کا سرچشمہ نہیں بناتا۔ اللہ ہی مقتدرِ اعلیٰ ہے اور رہتا ہے۔ مغرب کے استعماری اور سامراجی غلبہ نے دنیا کو جو سیاسی اصطلاحات اور ادارے (INSTITUTIONS) بخشے ہیں، اُن میں انسانوں کو ہی قوّت کا سرچشمہ یا مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کیا جاتا ہے اور عملاً یہ قوّت چند ہاتھوں میں مرکوز ہوجاتی ہے۔ گو نظری طور پر حاکمیّت اداروں کو منتقل ہوجاتی ہے۔ مثلاً پارلیمنٹ، سینیٹ (SANATE) مختلف ملکوں نے اپنی اپنی قومی زبانوں میں بھی نام رکھ لئے ہیں مثلاً قومی اسمبلی، لوک سبھا وغیرہ اور یہ ادارے ہی عوام کے نام پر اقتدار کا تصرّف کرتے ہیں۔ عوام کی پسند ہی حق و باطل کا معیار ہے اور عوامی پسند و ناپسند سمٹ کر اصل میں ان لوگوں تک ہی رہ جاتی ہے جو حکمران ہوتے ہیں۔ اور ان کے وہ ساتھی جو اُن اداروں کے رکن، اور حکمرانوں کے اعوان و انصار ہوتے ہیں۔ اس نظریہ کے اعتبار سے عملاً انسان، انسان کا معبود بن جاتا ہے اور بندگی و آقائی کا رشتہ استوار ہوجاتا ہے۔ یہ انسان کو مقامِ انسانیت سے گرا کر جانوروں کی سطح پر لا کھڑا کرتی ہے۔ بر عکس اس کے اسلام صرف خدا کی بندگی کی دعوت دیتا ہے، حاکمیت اس کی تسلیم کرتا ہے۔ اور صرف اللہ کے حکم کی طاعت کرنے کو کہتا ہے یا جس کی اطاعت کی گنجائش اس کے حکم سے ملتی ہو۔ اللہ کا حکم ہے

"اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی (اطاعت کرو) جو تم میں سے ہو!"

اور مزید وضاحت فرما دی کہ تنازعہ (یعنی اختلاف) کی صورت میں معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو!" جس کا کھلا مفہوم یہ ہے کہ اولی الامر خود حکمران نہیں بلکہ امین ہے اس اقتدار کا جو اس کے حوالے کیا گیا ہے اور

اسے ایک مقرّرہ حدود میں برتتا ہے۔ بایں ہمہ اس امین کا نام بھی اس کے اختیار حدود کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ اب دیکھنا ہے کہ اللہ جب مسلمانوں کو حکومت عطا کرتا ہے تو اسے کس نام سے موسوم کرتا ہے۔ سورۂ نور میں ارشاد ہوتا ہے :

"تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے ہیں اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان لوگوں کو ملک کی خلافت ضرور عطا فرمائے گا........!"

معلوم ہوا کہ ربّانی حکومت خلافت کہلاتی ہے، اور جو اس امانت کا ذمّہ دار ہوتا ہے وہ خلیفہ ہوتا ہے۔ چونکہ وہ مسلمانوں کے امر کا ذمّہ دار ہوتا ہے اس لئے اسے امیر بھی کہا جاتا ہے اس لئے کم از کم یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسلامی حکومت کا ذمّہ دار، نام نہاد جمہوری یا پرولتاری صدر یا وزیراعظم یا چیرمین کی طرح نہیں ہوگا جو نظر بظاہر عوام کی مرضی کے نمائندہ ہوں گے لیکن عملاً اور درحقیقت وہ اپنی ہوس کے ترجمان ہوتے ہیں۔ سربراہِ مملکت بننے سے پہلے چاہے کوئی حیثیت نہ رہی ہو، قصرِ صدارت میں پہنچتے ہی وہ والا تبار بن جاتا ہے۔ اس کی شان اور کسی بھی روایتی سلطان کے کرّوفر میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ باڈی گارڈ، ہٹو بچو کی صدائیں، کہیں سے گذر ہو تو شاہراہیں بند، گراں قدر مشاہرہ جو ہر طرح کے محاصل سے بری ہوتا ہے اور بنک میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ اس کے جملہ مصارف قومی خزانے سے پورے کئے جاتے ہیں اور وہ کونسی قیصری وکسرائی مراعات و اختیارات ہیں جن سے وہ متّصف نہ ہو، بجز اس کے کہ بادشاہ ماں کے پیٹ سے تاجِ خسروی پہن کر نمودار ہوتا ہے اور اس کے سر پہ تاجِ ہمایونی رکھنے والے قوم کے نمائندے ہوتے ہیں۔ آئیے دیکھیں اسلامی حکومت کے سربراہ کی کیا کیفیت ہے، اُس کا طرزِ رہائش کیا ہے۔ بیت المال سے جملہ مصارف سربراہی کس حد تک ادا کئے جاتے ہیں یا لئے جاتے ہیں۔ کیا وہ موجودہ سربراہانِ مملکت جیسی مسرفانہ اور شاہانہ زندگی بسر کر سکتا ہے؟ سب سے پہلے تو بانیٔ ریاستِ اسلامی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کو دیکھئے۔ آپ کی دوہری حیثیت تھی، اللہ کے نبی اور

اسٹیٹ کے سربراہ دونوں ہی تھے۔ اگر آپ اپنی ذات کو وہ رعایتیں دیتے جو کہ عرب کے تپتے ہوئے صحرا میں زندگی کی کٹھنائیوں میں کچھ کمی کرتیں تو کون تھا جو اعتراض کرتا۔ مگر اپنوں کو تو چھوڑیئے اغیار تسلیم کرتے ہیں۔ آپؐ کی زندگی سادہ تھی، کبر و فر سے نفور، ذاتی اغراض و خواہشات نہ تھیں۔

"..... وہ سادہ طریقے پر رہتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کام خود ہی کرتے نہ ہی سونا نہ ہی چاندی پہنتے۔ جَو کی خوراک، روٹی، کھجور اور پانی پہ گذر کرتے۔ گاہے ماہے دودھ اور شہد کا اضافہ ہو جاتا!"

"HE LIVED SIMPLY PERFORMING MENIAL TASKS WITH HIS HANDS WEARING NEITHER GOLD NOR SILVER AND LIVING, WE ARE TOLD, ON A DIET OF BARLEY BREAD DATES AND WATER WITH THE OCCASIONAL ADDITION OF MILK AND HONEY."

READINGS FROM WORLD RELIGION COMP--ILED BY SALWYN GURNER CHAMPION AND DOROTBY SHORT.

امہات المومنین کی زندگی جس عسرت سے بسر ہوتی تھی، تاریخ کا حصّہ ہے لیکن مدینے میں خوشحالی کی آمد آمد نے بھی کوئی نمایاں تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ ذرا آسانی کی خواہش کے اظہار کو ناپسند کیا گیا، حتّٰی کہ وحی آئی :-

"اے محمدؐ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت کی طلبگار ہو تو پھر اسی کی ہو رہو۔ خدا نے تم میں سے نیکو کار عورتوں کے لئے بڑا درجہ رکھا ہے!" (سورۂ احزاب)

جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کہہ اٹھیں: "اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے دو راستے رکھے ہیں۔ فقر و استغنا یا عیش و تنعم، تو جواب ایک ہو سکتا ہے، دُنیا اور نعائمِ دنیا کی قدر و قیمت بھلا آپؐ کی رفاقت کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی

ہے- میں نے سب کچھ چھوڑا- میں تو اللہ اور رسول اللہ کی محبت کو ترجیح دیتی ہوں-!"۔ دوسری ازواجِ مطہرات نے بھی اسی طرح کی بات کی۔ غور کیجئے اس اسوۂ حسنہ پر۔ شخصی اور مطلق العنان فرماں روائی کی حیثیت آپ کی نگاہ میں کیا تھی اس کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ازار بند خرید ا بیچنے والا محبت سے دست بوسی کے لئے جھکا آپ نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: "میں کوئی بادشاہ نہیں، تمھیں میں سے ایک ہوں!"۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا!"

سربراہانِ اسلامی حکومت کا اسوہ : خلفائے راشدین کا طرزِ عمل بھی اسوۂ رسول کی اتباع کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق بھی انتہائی سادہ زندگی گذارتے رہے، اور بیت المال سے اپنے لئے اتنا ہی لیا جتنا کہ گذر اوقات کے لئے کفایت کرے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے: "وفات کے بعد جب ہم نے آپؓ کے ترکے کو جانچا تو دو چیزیں ملیں ایک ملازم اور ایک اونٹنی - یہ دونوں چیزیں بھی ہم نے عمرؓ کو بھیج دیں!" (طبری)

حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلامی حکومت کی سرحدیں بہت وسیع تھیں قیصر و کسریٰ کا خزانہ آپؓ کے تصرف میں تھا۔ لیکن جو بھی آتا یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتا تھا کہ جس کی ہیبت کا لرزہ حجاز و مصر اور عراق و شام سب پر طاری تھا۔ وہ سر کے نیچے تکیے کے بجائے اینٹ رکھ کر لیٹا ہے، عمامہ دریدہ ہے، لباس پیوند سے سجا ہوا، پاؤں کی چپلوں کا یہ حال کہ گھسے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے! قحط کے زمانے میں اپنے لڑکے کو پھل کھاتے ہوئے دیکھا تو بہت خفا ہوئے، فرمایا: "لوگ بھوکے مر رہے ہیں، تو پھلوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے!"

علیؓ مرتضیٰؓ اپنے عہد خلافت میں : حضرت علیؓ مرتضیٰ سردی سے ٹھٹھرتے رہے لیکن بیت المال کے روپے سے سرمائی لباس بنانا پسند نہ فرمایا۔ آپؓ کی احتیاط پسندی کا یہ عالم تھا کہ پورے عہدِ خلافت میں کوئی

نیا کپڑا اپنے لئے نہ بنوایا نہ پہنا!" خلیفہ کی حیثیت سے گشت پر نکلتے تو اسے پسند نہ فرماتے کہ خود آگے آگے ہوں اور لوگ پیچھے ــــ فرماتے: "اس میں فرمانروا کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے ذلت ہے!" (طبری) خلافت کے ادارے (INSTITUTIONS) کو سمجھنے کے لئے ایک نظر ڈال لیجئے، ابن خلدون اس پر بحث کرتے ہیں:

"خلافت افراد کو ان کے دینی و دُنیوی مصالح کے راستہ پر شرعی نقطۂ نظر کے مطابق چلانے کا نام ہے۔ کہ در اصل دنیاوی مصالح بھی مصالح اُخروی ہی کی طرف راجع ہیں۔ اس لئے کہ شریعت کی نگاہ میں تمام دنیوی امور مصالح آخرت ہی کے ماتحت ہوتے ہیں۔ پس فی الحقیقت خلافت حراستِ دین میں اور دین ہی کی طرح سیاستِ دنیا میں صاحبِ شریعت کی نیابت ہے!"

اب اگر آپ بغور دیکھیں تو مغربی سیاست کی تعمیر میں لادینی افکار اور میکیاولی کے فلسفۂ ہوسناکی کی کارفرمائی ہے۔ اس کے ہر ادارے میں اس کی مخصوص چھاپ لگی ہوئی ہے۔ وہ مغربی جمہوریت کی سحر کاری ہو یا اشتراکیت کی ادا کاری، وہ مسولینی کی فسطائیت ہو یا ہٹلر کی نازیت ان کے بین السطور ایک ہی مضمون کا رنگ اور آہنگ سارے کینوس پر بکھرا پائیں گے۔ اختیار شاہی سے متصف و مسلح افراد عیش فراواں اور مراعاتِ بے پایاں کے طلبگار اور زبان پر ترانہ: ع "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!"

شوریٰ: اس ادارے کا قیام بھی زبانی آرڈی نینس کا نتیجہ ہے۔ قرآن میں احکم الحاکمین کا فرمان ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (یعنی مسلمانوں کے معاملات (حکومت) باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔ (سورۃ الشوریٰ آیت ۳۹)

اسلامی نظامِ حکومت میں شوریٰ ایک اہم ترین ادارہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمورِ مملکت اور معاملاتِ جنگ وغیرہ پر صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے جنگِ اُحد کے موقع پر آپ نے اندرون شہر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن لوگوں کی کثرتِ رائے یہ تھی کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے لہٰذا

آپ نے گھر جا کر لباسِ جنگ زیبِ تن فرمایا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر اللہ کے واضح حکم کے خلاف نہ ہو تو مشورہ ماننا ہو گا۔ کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو نبی کو ہدایت ہوتی کہ مشورہ کرو۔ لیکن اگر اپنی مرضی کے خلاف پاؤ تو مسترد کر دو۔ مزید یہ بھی پتہ چلا کہ مشورہ نمائشی نہیں ہو گا۔

خلفائے راشدین نے بھی شوریٰ کی اہمیت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور مشورے ہی سے کاروبارِ مملکت چلاتے رہے۔ تاریخ میں نظائر کی کوئی کمی نہیں ہے، پھر بھی چند مثالیں پیشِ نظر ہیں تو اچھا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ''فردِ واحد کی رائے کچے دھاگے کی طرح ہے۔ (سراج الملوک طرطوشی)۔ ابن المسیب کا قول ہے کہ ہجرت سے آغازِ سال کی رائے حضرت علیؓ نے دی تھی، وہ فرماتے ہیں: ''جب حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کرام سے مشورہ طلب کیا کہ کب سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے تو حضرت علیؓ نے فرمایا: ''اسی روز سے جس روز سے آپؐ نے ہجرت کی اور مکہ سے مدینہ تشریف لے آئے!''

حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق کی زمینوں کا مسئلہ جس طرح مشورت سے طے فرمایا، وہ اسلامی طرزِ سیاست کا شاہکار ہے۔ اس کی تفصیل کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ شوریٰ کی اہمیت کا اس قول سے اندازہ کیجئے اور غور کیجئے کہ اسلامی خلافت کی حقیقت کیا ہے: ''بغیر مشورے کے خلافت بے معنی ہے!'' (کنز العمال)

طرطوشی نے ''سراج الملوک'' میں مشاورت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''ایک سربراہِ مملکت کا سب سے قبیح فعل یہ ہے کہ وہ استبداد بالرائے سے کام لے اور مشاورت ترک کر دے!'' مشورے کے سلسلے میں ایک بات اور ذہن نشین کرنے کی ہے کہ قرآن کی ہدایت کی روشنی میں جو مشورہ مطلوب ہے وہ کسی ایک خاص طبقے یا جماعتی کٹھ پتلیوں سے نہیں بلکہ ہر مکتبِ فکر سے مشاورت سے ہونا چاہیئے تاکہ معاملہ پر ہر زاویۂ نگاہ سے روشنی پڑ سکے۔

اس وضاحت کے بعد یہ سمجھنا آسان ہے کہ وہ سیاسی ادارے جو

لادینیت کے سحر زدہ نابغاؤں کے ذہن کی تصنیف ہیں اور ساتھ ہی مغرب کے آذر کی تراشیدہ اور خط کشیدہ سیاسی اصطلاحیں اسلام کے لباسِ نورانی میں نہیں ٹک سکتے۔ نہ صرف یہ کہ اسلام کے چہرۂ انور کو داغدار کریں گے۔ بلکہ میرے تزدیک تو وہ چہرہ ہی مسخ کر دیں گے۔ کیونکہ ان کی اپنی روایات، اساسات، تاریخ اور طریقۂ واردات ہے۔ تجربہ کرنے کی ضرورت نہیں، خود اپنی شکل دیکھنے کی زحمت کریں، پہچانی نہیں جائے گی۔ پارلیمنٹ، وزیراعظم، صدر، قومی اسمبلی، سینیٹ، حزبِ اقتدار، حزبِ اختلاف، دستور جس کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے۔ ملک اپنی پیشانی پر "اسلامی جمہوریہ" کا جھومر سجائے ہوئے، پر کیا ہوا؟ ملک دونیم ہوگیا، ملت رسوا ہوگئی۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک کا آکسیجن ٹینٹ عمل تنفس کو "زندہ" رکھنے میں سرگرم عمل، مگر تابکے۔ سوچئے کیا گیسوئے گیتی کو کسی اور مشاطہ سے سنوارا جاسکتا ہے۔ ع: "علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی!" جو کہ الہامی ہے۔ (UTOPIA) خیالی نہیں۔ بلکہ یہ دھرتی اس کی آبیاری سے عرصۂ دراز تک گلزار بنی رہی ہے، جس کی نظر نوازی سے محمود و ایاز مدتوں شاد کام ہوتے رہے ہیں۔ طبقاتی امتیازات اور غربت و امارت کی تفریق دم توڑ گئی۔ عدل و انصاف اور حق و صداقت کی حکمرانی قائم رہی۔ اگر آج بھی ہم گم گشتہ حکمت کے جواہر ریزوں کو چن لیں اور اس کی بنیاد پہ اپنا آشیانہ تعمیر کرنے کی سعی کریں تو بجلیوں کو بے کلی محسوس نہیں ہوگی اور خرمنِ حیات پھر لہلہانے لگے گا، بقول حکیم مراد آبادی مرحوم ؎

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی ❊ چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

ورنہ

کہاں کی دلداری و محبت، تلافیوں کا تو ذکر کیا ❊ حقوق پامال کر رہے ہیں حق کے پہرہ دار اب بھی

اب ایک نظر مغربی پارلیمانی نظام اور اس کے تقاضے پہ ڈال لیں۔ اس سلسلے میں ذرا یہ اقتباس پڑھیئے:

"ہم نے مغرب کا پارلیمانی نظام اپنایا جس کا لازمی تقاضا یہ ٹھہرا کہ:

(۱) سربراہِ مملکت بے اختیار اور سامانِ زینت بن کر رہے۔

(۲) وزیر اعظم سارے اختیارات استعمال کرے۔
(۳) ملّت حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف میں بٹ جائے اور ان کے درمیان تعاون کی فطری شکل تصادم قرار پائے۔
(۴) حزبِ اقتدار اپنی حکومت بچانے میں اور حزبِ اختلاف جا و بیجا تنقید کرنے میں سرگرم رہے۔ کرسی بچانے اور جھپٹنے میں غیبت، بہتان، الزام تراشی، تنابز بالالقاب (نام بگاڑ کر کوئی اور نام رکھنا) تذلیل و تحقیر اور دیگر تمام ناجائز امور کا ارتکاب کیا جائے (یہ نہ سمجھئے گا کہ یورپ اور امریکہ میں یہ خرابیاں نہیں پائی جاتیں۔ جمہوریت کی یہ ساری برکات بھرپور طریقے پر وہاں موجود ہیں)
(۵) کسی پارٹی سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کا یہ فرض ٹھہرا کہ وہ حق و باطل کا لحاظ کئے بغیر ہر حال میں اپنی پارٹی کا ساتھ دے۔ (از احیائے نظامِ خلافت، مولانا وصی مظہر ندوی) اس کے برعکس جیسا کہ میں نے پہلے بھی اس مضمون میں عرض کیا ہے، اس دنیا میں اللہ جو مقتدرِ اعلیٰ ہے۔ اس کا اختیار (AUTHORITY) اولی الامر کو تفویض ہوتا ہے۔ وہ علامتی (SYMBOLIC) امیر نہیں ہوتا، نہ ہی ایوانِ ریاست میں زینت و آرائش کا کوئی شاہکار ہوتا ہے۔ جو آنے والوں کو دعوتِ نظّارہ فراہم کرتا ہو بلکہ جملہ اختیارات اسے حاصل ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ داخلی آویزش اور کشمکش سے محفوظ ہوتا ہے اور وہ خلیفہ یا امیر، یکسوئی اور پوری اسلامی جماعت کے تعاون اور اشتراک سے امورِ حکمرانی انجام دیتا ہے۔ مزید یہ کہ اسلامی ریاست میں پارٹی بازی حرام ہے۔ اللہ کے نزدیک صرف دو ہی جماعتیں ہیں: (۱) حزب اللہ (۲) حزب الشیطن۔ علاوہ ازیں ہر شخص کو حق کی حمایت کرنے اور باطل کو رد کر دینے کا حکم ہے، فرمانِ الٰہی ہے: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۝ (مدد کرو بھلائی اور نیکی میں اور نہ ساتھ دو گناہ اور ظلم میں) ایک اور جگہ ہدایت کی جاتی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ — اے ایمان والو! انصاف کو لے کر اٹھنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ

لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۔ یہ گواہی خود تمھاری ذات کے خلاف یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو

اس مختصر معروضات کی روشنی میں اگر غور کیا جائے تو موجودہ طریقۂ انتخاب بھی نفسِ اسلام سے ٹکراتا نظر آئے گا۔ میرے نزدیک اس کے دو پہلو اہم ہیں۔

ا۔ اس طریقۂ انتخاب کے ذریعہ ایک خاص عمر سے اوپر۔ ہمارے ملک میں ۲۱ سال اور اس سے زائد۔ ہر عاقل و بالغ شہری۔ (عاقل و بالغ قانونی طور پر، حقیقی ہونا ضروری نہیں ہے!) کو ووٹ دینے کا حق ہے اور کوئی بھی شخص اس طریقے سے اسمبلیوں کی رکنیت کا امیدوار بن سکتا ہے اور ممبر منتخب ہو سکتا ہے چاہے وہ "امین" ہو یا نہ ہو۔ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ کس طرح سرمایہ کے بل پر، جھوٹے اور فریب کے سہارے "قاتلانِ قوم" منتخب ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے ؛

ب۔ افراد اور جماعتیں چونکہ مختلف عصبیتوں کو جگا کر، دلفریب نعروں اور جھوٹے وعدوں اور دھن دھونس کے ذریعہ منتخب ہوتے ہیں تو اپنے عہدِ اقتدار کو دولت سمیٹنے اور عوام کو ہمیشہ خلوص سے فریب دینے کی کوشش میں رہتے ہیں، ساتھ ہی لہو گرم رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی مسئلہ اٹھاتے رہتے ہیں تاکہ وہ اسی میں الجھے رہیں، اور وہ احتساب سے بچے رہیں ؛

لہٰذا اس انتخابی طریقے میں بھی تبدیلی کی اشد ضرورت ہے تاکہ ہر بوالہوس حسن پرستی کا شعار اپنانے کے جنون میں مبتلا نہ ہو۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے مسائل ہیں۔ خواتین کی حکومت میں شرکت، اقلیتوں کی نمائندگی۔ یہ اور اسی طرح کے دوسرے تمام مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں ہونا ضروری ہے۔ ورنہ مرعوبیت کے ساتھ اگر مغربی طرزِ جمہوریت، چاہے وہ پارلیمانی ہو یا صدارتی، کی نقالی کی روش پر چلتے رہے تو راہ گم ہو جائے گی نام آپ اسلامی دستور رکھتے ہیں۔ ملک اسلامی جمہوریہ رہے۔ صدر ریاست نام کا کوئی فرد بھی ہو "اسلام آباد" کی منزل نظروں سے اوجھل ہی رہے گی۔ چاہے "جنرلی اسلام آباد" پہنچ جائیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ اصطلاحات اور اداروں کا فرق کوئی فرق نہیں۔ قانون

کا ایک اصول ہے کہ جس طرح سے کسی کام کو کرنے کے لئے کسی قانون میں طریقۂ کار مقرر ہے وہ اسی طرح کیا جائے گا تو قانونی ہوگا اور قرینِ انصاف ہوگا، ورنہ نہیں۔ اور یہ بھی پیشِ نظر رکھا جائے کہ نماز کا جو طریقہ اللہ کے رسولؐ نے تجویز کیا ہے اسی طریقے سے نماز ہوگی۔ اگر کوئی چاہے کہ ہندوؤں کے گیان دھیان کے انداز میں نماز ادا کی جا سکتی ہے تو خام خیالی ہے۔ بایں ہمہ اسلامی اصولِ حکومت کے اندر بنیادی تبدیلی کر کے کوئی سمجھتا ہے کہ وہ اسلامی نظام قائم کر سکتا ہے تو وہ جنّت الحمقا میں بستا ہے ؛

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ ملّت کے سفینہ کو سیاسی گرداب سے نکالنے کے لئے انقلابی سیاسی نظام کی ضرورت ہے جو اسلام کا خلافتی طرزِ حکومت ہی پیش کرتا ہے۔ جس میں خلیفہ، امیرِ حکومت قبول کر کے مراعات (PRIVILEGES) اور اختیاراتِ شاہی (PREROGATIVES) کا حقدار نہیں ہوتا بلکہ ملّت کا ہمہ جہت امین بن جاتا ہے۔ عیش و عشرت، شان و شوکت، کبریائی اور قیصری ہر چیز سے دور ہوتا ہے، عوام کی سطح پر ہوتا ہے اور انھیں ہر دم جوابدہ ہوتا ہے، وہ تنقید سے جلال میں نہیں آتا، تلوار کی انی سے سیدھا کر دینے کے دعوے کو سُنتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اگر وہ کج رَو ہوگا تو امت کے افراد اسے سیدھا کر دیں گے۔ اگر یہ حوصلہ نہ ہو تو "امیرِ جمہوریہ" نہیں بن سکتا؛ ع "جس کو ہو جان و دل عزیز اُس کی گلی میں جائے کیوں!"

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

بقیہ صک

کا دائرہ شکر سے وسیع تر ہو جاتا ہے اور اللہ کی تعریف عقلِ انسانی کے اس شعور و ادراک کا مظہر ہے کہ جُملہ محاسن اور تمام کمالات کا منبع و سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہی ہے ـــــ اور یہی حاصل ہے قرآنِ حکیم کی پہلی سورت یعنی سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت یعنی : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ کا ـــــ !!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

عبقریٔ زمانہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

اقتباس از "دیدہ و شنیدہ"

تالیف : ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی، ایبٹ آباد

ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی ملک کی ایک مشہور علم دوست شخصیت ہیں۔ پیشہ کے لحاظ سے تو وہ ڈاکٹر ہیں مگر اپنے اعلیٰ علمی ذوق کی بنا پر ہمیشہ نامور اہلِ علم و قلم سے ان کے قریبی تعلّقات اور روابط رہے ہیں۔ انہی اربابِ دانش میں سے مولانا ابوالکلام آزاد کی نابغہ روزگار شخصیت بھی ہے جن سے اُن کو والہانہ عقیدت ہے۔ ابھی حال ہی میں اُن کی ایک کتاب "دیدہ و شنیدہ" منظرِ عام پر آئی ہے، جو دراصل ملک کے مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلّق رکھنے والے مشاہیر کا گویا کہ تذکرہ ہے۔ اس کتاب میں ایک مقالہ مولانا ابوالکلام کی شخصیت پر بھی ہے، ہم وہ مقالہ معمولی سی تقدیم و تاخیر کے ساتھ "میثاق" میں شائع کر رہے ہیں، تاکہ مولانا کے سیاسی افکار انہیں قریب سے جاننے والے ایک شخص کی وساطت سے قارئین کے سامنے آسکیں اور انہیں مولانا کے متعلّق ایک متوازن رائے قائم کرنے میں مدد مل سکے۔

اس اقتباس کے لئے ہم ڈاکٹر صاحب کے ممنون ہیں (ادارہ)

محی الدّین احمد نام ـــــ آزاد تخلص ـــــ تاریخی نام فیروز بخت

پیدائش ۱۸۸۸ء وفات ۱۹۵۸ء مدفن جامع مسجد دہلی کے سامنے!

(اُردو پارک میں مقبرہ ہے)

آبائی وطن - دھلی ـــــ مادری وطن مدینہ منوّرہ

آپ کے والد مولانا خیر الدّین جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) کے بعد مکّے میں مقیم ہو

گئے۔ ۱۸۹۸ء میں کلکتہ چلے گئے۔ یہاں آکر مولانا آزادؒ کی والدہ فوت ہوگئیں

تعلیم : مولانا آزادؒ نے والد سے گھر پر مشرقی علوم کی ابتدائی تعلیم شروع کی۔ قرآن شریف مکہ معظمہ میں ہی ختم کرلیا تھا۔ گھریلو ماحول مذہبی اور دینی عظمت سے رچا ہوا تھا اس لئے مولانا آزادؒ قبل از وقت سنجیدہ ہوگئے، کتابیں کھلونا بن گئیں۔ ۱۹۰۰ء میں فارسی تعلیم مکمل کرلی، اور ۱۹۰۳ء میں درسِ نظامیہ سے فارغ ہوگئے۔ بعد ازاں دیگر علوم متداولہ میں خود بخود دسترس حاصل کرلی۔ پہلے فرانسیسی اور بعد میں انگریزی کی بہت سی علمی و ادبی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ شاعری بچپن کا مشغلہ رہا۔ سب سے پہلی غزل (ایک مصرعہ ہے!) : "پوچھی نہ زمین کی تو کہی آسمان کی!" بمبئی کے رسالہ "ارمغانِ فرخ" میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ "خدنگِ نظر" لکھنؤ "پیامِ یار" لکھنؤ میں بھی باقاعدہ آپ کی غزلیں چھپنے لگیں ؛

صحافتی زندگی : صحافتی زندگی "نیرنگِ خیال" سے شروع ہوئی۔ ماہنامہ "لسان الصدق" کلکتہ ۲۰۔ نومبر ۱۹۰۳ء سے جاری کیا۔ "الندوہ" (مولانا شبلی کا رسالہ) کی ادارت اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک کی۔ اس کے بعد آپ "وکیل" امرتسر جو شیخ غلام محمد نے جاری کیا تھا، کے ایڈیٹر ہوگئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اپنے بڑے بھائی ابو نصر کی وفات کے بعد والد کے اصرار پر کلکتہ واپس چلے گئے وہاں پر کچھ عرصہ اخبار "دار السلطنت" کی ادارت بھی کی۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۱۲ء کو اپنا ذاتی اخبار "الہلال" جاری کیا۔ انہدام مسجد کان پور کے سلسلے میں "الہلال" کی ۱۶ر ۱۹۱۴ء کو ضمانت ضبط کرلی گئی، ۱۹۱۵ء میں مولانا کو بنگال سے خارج کردیا گیا۔ "الہلال" کے بعد انہوں نے "البلاغ" نکالا۔ یہ بند ہوا تو ۱۹۲۱ء میں اخبار "پیغام" جاری کردیا۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں آپ کی ملاقات گاندھی جی سے ہوئی۔ یہیں سے اُن کے درمیان عقیدت و خلوص کا سلسلہ قائم ہوا ؛

۱۹۲۱ء میں آپ گرفتار ہوئے، ۱۹۲۳ء میں پہلی بار کانگرس کے جلسے کی صدارت کی۔ ۱۹۳۰ء میں پھر گرفتار ہوئے، ۱۹۴۰ء میں پھر کانگرس کے صدر مقرر ہوئے، پھر قید ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں رہا ہوئے اور بحیثیت صدرِ کانگرس کرپس مشن کی تجاویز کو مسترد کردیا ؛

۹ر اگست ۱۹۴۲ء میں "ہندوستان چھوڑ دو" کے نعرہ کے سلسلہ میں قید ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں آپ کی بیگم کا انتقال ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں آپ نے کیبنٹ مشن کے ساتھ مذاکرات میں حصّہ لیا۔ ۱۹۴۷ء میں دستور ساز اسمبلی کے ممبر مقرر ہوئے۔ عبوری حکومت میں تعلیم اور فنونِ لطیفہ کے وزیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں بھارت پارلیمنٹ میں کانگرس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۲ء کے انتخاب میں پارلیمنٹ کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ یورپ اور مغربی ایشیا کے دو ماہ کے خیرسگالی دورے پر گئے۔ آخر تک (تاوفات ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء) وزیرِ تعلیم، اور سائنسی تحقیقات کے عہدہ پہ برقرار رہے ؛

تصانیف : "ترجمان القرآن"۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۳۱ء اور دوسری ۱۹۳۶ء میں چھپی، لیکن تیسری جلد آج تک نہ چھپ سکی۔ اُن کی دوسری اہم کتاب "البیان" قرآن مجید کے اہم مقامات اور واقعات کی مفصل تفسیر، اور تیسری کتاب "البصائر" مقدمۂ قرآن بھی نہ چھپ سکی ؛

آپ کی مشہور ادبی و علمی تصانیف مندرجۂ ذیل ہیں :- تذکرہ - غبارِ خاطر- حکایات - جامع الشواہد- مکاتیب- قولِ فیصل- مسئلۂ خلافت وجزیرۃ العرب اسلامی جمہوریّت کے تقاضے ، اسلام اور آزادی، حضرت یوسف علیہ السّلام کاروانِ خیال- مکالماتِ آزاد اور اصحابِ کہف !

مَیں اُن کے نام سے ۱۹۱۱ء میں واقف ہوا، جب کہ والد مرحوم "الہلال" کا پرچہ لائے اور مجھے دکھایا- میری زندگی ابھی بچپن کی سادہ لوح ہی رکھتی تھی کہ اُن کی عظمت و جلالت کا نقش دل کی لوح پر ثبت ہوگیا-یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ انہوں نے میرے دل و دماغ کی دنیا ہی پلٹ دی ، اور میری زندگی کے دھارے کا رخ پھیر دیا اور غائبانہ اُن سے اتنی وابستگی ہوگئی کہ ہر تحریر جو اُن کے قلم سے نکلی اور مجھے مل سکی میں دیوانہ وار اس کی طرف لپکتا رہا- اُن کے قلم سے نکلی ہوئی یا اُن سے منسوب جو تحریر بھی سامنے آئی اُس کو سینے سے لگایا، اور آج تک اُن کی ورق گردانی سے اپنے روح و دل کی آسودگی کا سامان کرتا رہتا ہوں-اِس وابستگی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتاہے کہ ایک محترم عالمِ دین نے "الہلال" کی مجلدات جمع کرکے اُن کے ادارے کو پیش کرنے کی

آرزو کی۔ لیکن مَیں نے بڑے ادب سے اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ زندگی میں ان کو اپنے سے الگ نہیں کر سکتا۔ یہ میرے محبوب مولانا جنّت مکانی کی یادگار ہیں، میری روح اُن میں اٹکی ہوئی ہے، اُن سے مجھے تسکینِ حیات ملتی ہے۔ پھر انسان صورت پرست ہے، لامکان سے اظہارِ محبت کے لئے بھی ایک مکان کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے گرد اُس کی مخلوق محبت و وارفتگی میں پروانہ وار طواف کر سکے ؛

مجھے اُن سے دیکھنے اور بالمشافہ گفتگو کا اعزاز تعلقِ خاطر ۱۹۲۰ء کے بعد ہی حاصل ہوا، جب میں ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے لاہور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخل ہوا۔ اُن کے ساتھ تعلّقِ خاطر اُن کی زندگی کے بعد بھی آج تک ویسا ہی قائم ہے۔ اُن کے بعد مَیں کسی ہستی سے اتنا متاثر نہ ہو سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے وہ سانچہ ہی توڑ دیا جس میں ایسی شخصیتیں ڈھلا کرتی تھیں ؛

آپ کی تحریر ایسی دلربا اور گنجینۂ علم و خرد ہوتی کہ بار بار پڑھنے، نوٹ کرنے اور یاد کرنے پر بھی طبیعت سیر نہ ہوتی۔ علّامہ شبلی نعمانی ؒ نے فرمایا ہے کہ: "ابوالکلام اطناب کا بادشاہ ہے اور مَیں ایجاز کا! مَیں نے اپنی محدود قابلیت اور علم سے مولّٰنا آزاد کو دونوں میدانوں کا شہسوار پایا۔ اُن کے متلاطم بحرِ معنویات سے مَیں نے اپنا دامنِ مراد جواہرات سے بھر لیا اور ایجاز ایسا کہ قرآن کے بحرِ معانی کو ترجمان القرآن کے کوزہ میں بند کر دیا۔ اس بات کو پروفیسر رشید احمد صدّیقی نے اپنی عالمانہ طرزِ تحریر میں یوں رقم فرمایا: "مولانا کی تحریر صحافتی نہیں، تصنیفی ہوتی تھی؛ نظر حکیمانہ، انداز خطیبانہ اور آہنگ ملہمانہ!" ــــ مولانا کے یہاں انشاء پردازی کے ایک سے زیادہ اسالیب ملتے ہیں۔ "الہلال" میں دعوتِ دار و رسن ہے ــــ "تذکرے" میں دعوتِ دید و شنید ــــ "غبارِ خاطر" میں دعوتِ نوش و نشید۔ تفسیرِ قرآن کا لب و لہجہ علمی اور عالمانہ ہے۔ ع

ہے رنگِ لالہ و گُل و نسریں جُدا جُدا

مولانا آزاد کی عبقریت کا اعتراف زمانہ کے اہلِ علم و معرفت نے کیا ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول تھا: "اس نوجوان (ابوالکلام آزاد) نے ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا!" ــــ

مولانا ابوالکلام آزاد کی دعوت دو امور کی جانب تھی اوّل قرآن دوم جہاد- پہلے نکتے کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل اقتباس جو انہوں نے "البلاغ" کے پہلے شمارے مورخہ ۱۲؍ نومبر ۱۹۱۵ء میں لکھا، کافی ہوگا:

"اگر ایک شخص مسلمانوں کی تمام موجودہ تباہ حالیوں اور بدبختیوں کی علّتِ حقیقی دریافت کرنا چاہے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دے کہ صرف ایک ہی علّتِ اصلی ایسی بیان کی جائے جو تمام علل و اسباب پر حاوی اور جامع ہو تو اُس کو بتایا جا سکتا ہے کہ علمائِ حق اور مرشدینِ صادقین کا فقدان اور علمائِ سُوء، مفسدین دجّالین کی کثرت؛ اور پھر اگر وہ پوچھے کہ ایک ہی جملہ میں اِس کا علاج کیا ہے تو اُس کو امام مالک کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیئے کہ اُمّتِ مرحومہ کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی، تاوقتیکہ وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اُس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی- اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآنِ حکیم کے اصلی و حقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدینِ صادقین پیدا کئے جائیں!"

دوسرے نکتے کی وضاحت کے لئے کفایت کرے گی یہ حقیقت کہ جب مولانا آزاد نے توجّہ دلائی اُس حدیث کی جانب کہ: "میں تم کو حکم دیتا ہوں اُن پانچ چیزوں کا جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا: الجماعت - والسمع - والطاعۃ والھجرت - والجہاد فی سبیل اللہ - تو ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوا اہلِ علم کے حلقے میں کہ "بُنِیَ الاِسلامُ علیٰ خَمسٍ!" کے علاوہ بھی کوئی پانچ چیزیں تھیں جن کا حکم دیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور جبکہ وہ پانچ ارکان ہیں قانونی اسلام کے، وہاں یہ پانچ ارکان ہیں حقیقی ایمان کے-

<u>میری دلبستگی</u>: زمانۂ تعلیم میں جہاں میرے رفقاء دنیاوی شوقِ نظارۂ گل و گلستاں میں محو رہے، میں اُن کی تحریر و تقریر اور موقع دیدار سے مستفید ہوتا رہا— یہ حقیقت ہے کہ ان کی تحریر و تقریر کی بے حد پذیرائی ہوئی- گو سیاسی ہنگاموں کے آخری دَور میں قوم نے اُن کا ساتھ نہ دیا- تاہم اس سے انکار نہیں کیا

جاسکتا کہ ان کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ انہوں نے کبھی راہِ حق سے انحراف نہ کیا۔ بلکہ ہندوستان میں حق کی آواز انہوں نے اس وقت بلند کی جب قوم پر جمود طاری تھا۔ اور آخر تک اپنی راہ پہ استقلال سے جمے رہے۔ ان کا اعلان تھا کہ جو ڈھانچہ اب تک بن چکا ہے اُس کو توڑا جا سکتا ہے، موڑا نہیں جا سکتا۔ لوگوں کی خوشنودی کے لئے اپنی بصیرت کے خلاف اُن سے قدم ملا کر چلنا گوارا نہ کیا۔ ان حالات پہ یوں تبصرہ فرمایا:

"میرے بارے میں کسی نہ کسی طرح دو رائیں بنتی چلی گئی ہیں۔ کچھ لوگ مجھ سے ارادت رکھتے ہیں، اور یہ اُن کے دل کی فیاضی ہے بعض لوگ مجھے دشنام سے یاد کرتے اور یہ ان کے دل کی ناراضی ہے میں کیا ہوں اور کیا نہیں، اس کا فیصلہ آج نہیں، کل ہوگا۔ میں نے اپنی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے رکھ دی ہے۔ یہ انہیں اس امر کا فیصلہ کرنے میں مدد دیں گے کہ میں کتنا بُرا ہوں اور کتنا اچھا ہوں!"

قوم کی وجہِ ناراضگی: سیاسی اُمور میں رائے کے اختلاف سے قوم میں اُن سے ناراضی شروع ہوئی۔ حالانکہ سیاسی اُمور میں اختلافِ رائے ایک بدیہی امر ہے چونکہ اس میں وحی کا عنصر نہیں ہوتا لہٰذا ہر ایک کی رائے اپنے ذاتی علم، تجربہ اور بصیرت پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی واسطے کسی کی رائے کی صحت پر ایمان نہیں لایا جا سکتا سیاسیات میں کوئی شے قطعی نہیں ہوتی، یہ جامد نہیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی ہو اس میں حالات کے مطابق تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ جہاں تک میں اُن کی تحریروں تقریروں اور بالمشافہ گفتگو سے سمجھ سکا۔ اُن کی رائے تھی کہ ہندوستان کی مکمل آزادی ہندو مسلم اتحاد پہ منحصر ہے اور ہندوستان کی آزادی کو وہ مسلم ممالک (مشرقِ وسطیٰ) کی آزادی کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

اقتباس از سیرت مولانا داؤد غزنویؒ: مولانا ابوالکلام آزاد اس برِصغیر میں علامہ جمال الدین افغانی کے ایک طرح نائب تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے شاگرد اور جانشینِ صادق تھے۔ ان حضرات

کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کا طاقتور حریف انگریز ہے، اس لئے انہوں نے اور اُن کے رفقاء نے اپنی ساری قوتیں اس امر کے لئے وقف کر دیں کہ انگریز کو اس ملک سے نکال دیا جائے۔ یہی وقت کا سب سے بڑا جہاد اور اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ اس نظریہ کے تحت اُنہوں نے ہر اس پتھر کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جو انگریز کے اقتدار کے لئے اس ملک میں ممد و معاون ہو سکتا تھا۔ ہر اُس بُت کو توڑنے کی کوشش کی جس کی پرستش سے انگریز کا تقرّب حاصل ہو سکتا تھا۔

مولانا آزاد ہندو کی تنگ نظری سے واقف تھے اور اس پر گرفت بھی کرتے رہتے تھے۔ چونکہ اُن کو مسلم ممالک کی آزادی عزیز تھی لہٰذا اس کے حصول کیلئے وہ گاندھی جی (ہندوؤں) سے تعاون کے حق میں تھے۔ اُن کے قلبی تعلّق کے کیف کا اندازہ جو اُن کو مسلمانوں سے تھا، اُن کے اقوال و افکار سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ اور اُن کی زندگی کے یہی اوراق ہیں جن کے مطالعہ سے اُن کی اچھائی اور برائی کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

<u>اُن کی زندگی کے چند اوراق</u> (۱) خان عبدالغفار خاں اپنی "آپ بیتی" جو انہوں نے خود لکھوائی، میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں: "جب کانگرس نے تقسیم ملک پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے انہوں نے تمام پٹھانوں کو موت کی سزا سُنا دی۔ میں بے حد پریشان تھا، مولانا ابوالکلام آزاد میرے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اب آپ کو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہیئے!"

اگر خان عبدالغفار خان اُن کا مشورہ قبول کر لیتے تو یقیناً اُن کی پارٹی، قوم اور ملک کے لئے بہتر ہوتا، لیکن انہوں نے نہ مانا، انجام سامنے ہے۔

(۲) مولانا آزاد نے مولانا داؤد غزنوی کو بھی یہی مشورہ دیا تھا۔ ہفتہ وار "چٹان" لاہور اپنی اشاعت مورخہ ۲۴، ۳۰ دسمبر ۱۹۶۲ء میں لکھتا ہے

"بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ پنجاب و سرحد وغیرہ کے جن سیاسی رہنماؤں کو مولانا آزاد نے مسلم لیگ میں شامل ہو جانے کا مشورہ

دیا تھا، اُن میں مولانا داوٗد غزنوی بھی تھے وہ بے جھجک مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ——— !"

آغا شورش کاشمیری اپنی کتاب :" بوئے گل ، نالۂ دل ، دُودِ چراغِ محفل" ! کے صـ۲۲۲ـ پہ لکھتے ہیں :

" بہ حالاتِ موجودہ مولانا آزاد نے کہا مسلمانوں کے لئے دو ہی راستے ہیں ایک راستہ تو وہ ہے جو مَیں نے اختیار کیا ، لیکن مسلمانوں نے مِن حیثُ الکُل اُس پر چلنے سے انکار کر دیا۔ دوسرا راستہ وہ ہے جو اُن کے لئے لیگ نے بنا دیا ہے۔ مسلمان میرے ساتھ نہیں چلتے ، نہ چلیں لیکن میری خواہش ضرور ہے کہ تنظیم کی زندگی بسر کریں۔ ایک بھیڑ نہ رہیں ہمیشہ قوت اور تنظیم ہی کی قدر کی جاتی ہے !"

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اُن دنوں دہلی میں تھے اُنہیں بلوایا اور کہا :-
" آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ حالات یکسر تبدیل ہو گئے ہیں ، اِدھر اُدھر کا راستہ نہیں رہا ، ایک سیدھا راستہ بن چکا ہے جس سے اب انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مَیں نے چاہا کہ مسلمان میرے ساتھ آجائیں ، لیکن مسلمانوں نے اعراض کیا۔ میری بات کچھ تو اُن کی سمجھ میں نہ آئی۔ کچھ حالات اس طرح کے بن گئے کہ ان کے لئے لیگ ہی کا راستہ پسندیدہ ہو گیا۔ اب اس کے حُسن و قبح پر بحث کا سوال نہیں ؛ اب ایک طے شدہ راستے پر مسلمانوں کے سفر کا سوال ہے اگر ہم ہندوستان کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بھی سوچتے رہے ہیں ، تو مَیں آپ کو اور آپ کے وساطت سے احرار کو مشورہ دوں گا کہ آپ لوگ جو پاکستان کے صوبوں میں رہ رہے ہیں مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں تاکہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے اور معاملہ کسی دشواری کے بغیر حل ہو جائے۔ دوسرا فائدہ جو اس سے پہنچے گا ، یہ ہو گا کہ مسلمانوں میں آپ لوگوں کا اعتماد بحال ہو جائے گا۔ اِس وقت مسلمان جذبات کے عالم میں ہیں۔ اُنہیں غصّہ بھی ہے ، ناراضی بھی ہے اور شاید بڑی حد تک نفرت بھی۔ یہ سب ختم ہو جائیں گے۔ پاکستان بن جانے کے بعد جب سیاسی موقع پرستوں اور انگریزی حکومت کے موروثی اہل کاروں

سے واسطہ پڑے گا، تو ان کی طبیعتیں دوبارہ غور و فکر کی طرف لوٹ آئیں گی اُس وقت آپ ان کا ہاتھ تھام سکتے اور پاکستان کی آزادی کو اغواء ہونے سے بچا سکتے ہیں!"

مسلم لیگ کے پنجاب میں بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے متعلق "نوائے وقت" ۱۰ نومبر ۱۹۶۶ء میں ایک نوٹ از قلم میاں محمد شفیع مشہور مسلم لیگی لیڈر شائع ہوا۔ عنوان ہے :۔۔۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق ایک تاریخی واقعہ ۔ جو حرف بحرف درج ذیل کیا جاتا ہے :

"شیخ محمد اشرف لاہور کی ایک معروف شخصیت ہیں وہ برِصغیر میں کتابیں چھاپنے کے میدان میں ہندوؤں کے مقابلے میں بھی ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد انہوں نے اسلام پر بے شمار قابلِ قدر کتابیں شائع کیں۔ وہ پاکستان میں اہلِ حدیث کی تنظیم میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک ملاقات میں مجھے مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے ایک واقعہ سنایا جسے میں ایک تاریخی واقعہ سمجھ کر "نوائے وقت" کے کالموں میں ریکارڈ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

شیخ محمد اشرف صاحب نے فرمایا یہ اس صدی کے چوتھے عشرے کے آخری مہینے تھے، جب کانگرس کے مقابلے میں مسلم لیگ کی طاقت روز افزوں زوروں پر تھی، میں پکا کانگرسی تھا اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو نہ صرف مذہبی طور پر بلکہ سیاسی طور پر بھی دل سے اپنا پیشوا تسلیم کرتا تھا۔ حضرت مولانا ان دنوں انڈین نیشنل کانگرس کے صدر تھے۔ مجھے قدرتی طور پر مسلم لیگ کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت پر پریشانی تھی اور میں دل میں طرح طرح کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اس اثناء میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا دہلی سے پشاور تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مولانا سے لاہور ریلوے سٹیشن پر ملاقات کا پروگرام بنایا۔

چنانچہ جس روز مولانا کی ٹرین دہلی سے لاہور پہنچنے والی تھی۔ میں اپنے دوسرے دو ہم خیال دوستوں مولانا خدا بخش (جن کا اب انتقال ہو چکا ہے) اور خواجہ عبدالوحید (جو خدا کے فضل و کرم سے کراچی میں زندہ سلامت ہیں) کو ساتھ لے کر ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا۔ ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو وہاں مولانا سے ملاقات کیلئے

امیدواروں کا بڑا اژدہام پایا۔ اس لئے تینوں نے ریلوے ٹکٹ خرید لئے تاکہ مولانا کے ساتھ ہی ٹرین میں سوار ہو جائیں اور جب موقع پائیں مولانا کے ساتھ مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے مسئلہ پر تبادلۂ خیالات کریں ـــ یہ موقع ہمیں وزیر آباد گزر جانے کے بعد ملا۔ جب ان سے ملاقات کرنے والے اپنی اپنی کہہ سن چکے تو میں نے مولانا سے عرض کیا کہ :

"پنجاب میں مسلم لیگ کا زور دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس سے نیشنلسٹ خیال کے مسلمانوں کے کام کرنے کے راستے میں بے شمار دقتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس لئے جب تک مسلم لیگ کے اس بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لئے مؤثر تدابیر اختیار نہیں کی جائیں گی۔ پنجاب میں کانگرس اور اُس کے ہم نواؤں کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔"

مولانا نے ہماری باتیں بڑے سکون اور اطمینان سے سننے کے بعد فرمایا:

"بھائی مسلم لیگ کو کمزور کرنا دانشوری کی بات نہیں، بلکہ یاد رکھو جب تک مسلم لیگ طاقت نہیں پکڑے گی اس وقت تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں سیاسی مفاہمت کا راستہ ہموار نہیں ہو سکتا۔ مسلم لیگ کو مضبوط ہونے دو تاکہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی جماعت مضبوطی کے ساتھ کانگرس سے بات کر سکے۔"

شیخ محمد اشرف صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام کا یہ ارشاد سُن کر ہم پر گھڑوں پانی پھر گیا۔ ہم تو اُن سے اس اُمید پہ بات کرنے گئے تھے کہ وہ مسلم لیگ کے صدر کو جلی کٹی سنا کر ہمیں پنجاب میں مسلم لیگ سے لڑنے اور کانگریس کو مضبوط بنانے کے لئے کوئی مؤثر منصوبے بتائیں گے، لیکن مولانا نے مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کی ضرورت پر وعظ فرما کر اُلٹی گنگا بہا دی۔ لیکن شیخ صاحب کی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ مولانا مرحوم قیامِ پاکستان کے بعد بھی اپنے ملنے والے پاکستانی مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ اب پاکستان بن گیا ہے تو اسے مضبوط بناؤ۔ یہی ہماری بھی حفاظت کا ضامن ہوگا۔

عبداللہ شملوی حال اسلام آباد نے میاں محمد شفیع صاحب کے بیان (گزشتہ صفحہ) پر تحریر فرمایا ہے کہ وہ اس بیان کو قابلِ یقین سمجھتے ہیں اور اپنا ایک واقعہ اپنے مضمون روزنامہ "نوائے وقت" مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۷۶ء میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں :

مولانا ابوالکلام آزاد اور پاکستان

(۵ دسمبر ۱۹۷۶ء)

غالباً آخر ستمبر ۱۹۴۷ء کی بات ہے کہ مولانا شملے تشریف لائے اور سرکاری کوٹھی "ری ٹریٹ" میں فروکش ہوئے۔ شملہ اس وقت فسادات کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ منتشر مسلمان سمٹ سمٹا کر چند قدیم مسلم محلوں میں جمع ہو گئے تھے۔ مولانا کا آنا ایک گونہ ڈھارس کا باعث ہوا۔ چنانچہ روزانہ سہ پہر کے وقت مقامی لوگ اُن کے پاس جمع ہو جاتے تھے، مسلمان زیادہ ہندو کم، مگر پھر بھی خاصی تعداد میں۔ مولانا دوسروں کی سنتے تھے اور کچھ اپنی بھی سُنا دیتے تھے۔ ایک دن ایک دل جلے نیشنلسٹ مسلمان نے ان پُرآشوب حالات کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہرایا۔ جواباً مولانا نے جو کچھ فرمایا، اور علی الاعلان کہا تو ہندو تو ایک طرف اچھے اچھے مسلمانوں کے حواس گم ہو گئے۔ مولانا کا قول کم و بیش انہی کے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا :

"دنیا جانتی ہے کہ ہم لوگ نیشنلسٹ مسلمان کے نام سے بدنام ہیں ہم نے کھلے بندوں پاکستان کی مخالفت کی کہ ہماری نظر میں اس میں کچھ مسلمانوں کا تو بے شک فائدہ تھا، مگر بہت سوں کو اس سے کہیں زیادہ نقصان۔ اور رہا اسلام تو اس کا فائدہ معلوم۔ لیکن ہم نیشنلسٹ مسلمان ہیں اور مسلمان کی شرطِ اوّل ہے تسلیم۔ پاکستان بن گیا یعنی مشیتِ الٰہی کو یہی منظور تھا۔ اب ہمارا اسلامی فرض ہے کہ مشیت کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیں، اُسے دل و جان سے قبول کریں اور اس قبول کا حق ادا کریں۔ ضرورت ہے کہ ہمارا بہترین دل و دماغ ہر طرف سے پاکستان

جائے، اس کو بنائے اور استوار سے تاکہ پاکستان کی عمارت رفیع الشان ہو، دیکھنے دکھانے کے قابل ہو۔ قربانیوں کا قرار واقعی صلہ ہو۔ بلکہ پاکستان ایک سنگین اور اٹوٹ قلعہ ہو۔ اس لئے کہ پاکستان نہ بنتا تو مضائقہ نہ تھا لیکن بن کر ٹوٹ گیا تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ نہ اِدھر کے مسلمان نہ اُدھر کے مسلمان۔ بربادی ہمارا قومی مقدر ہوگا!"

اِس پر ایک صاحب نے کہا کہ پھر تو آپ کو بھی پاکستان چلنا چاہیئے۔ مولانا کا جواب تھا کہ یہ نہ بھولئے کہ ہندوستان میں بھی مسلمان رہیں گے۔ اُن کی ضرورت بھی کچھ کم نہیں۔ پاکستان بنانے والے اُن کے کام نہیں آسکیں گے۔ اس پر ہندوستانی کیا مسلمان حاضرین نے بھی دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔

اس واقعے کے گواہ پروفیسر قدرت اللہ فاطمی بھی ہیں (احقر عبداللہ شملوی سلام باد)

(۴) اسی طرح آپ نے ڈاکٹر محمد باقر صاحب کو جو تقسیم ملک کے وقت مرکزی حکومتِ ہند میں ملازم تھے، مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی خدمات پاکستان حکومت کو دے دیں اور انہوں نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور پاکستان آگئے۔ مولانا آزاد اِس نو تخلیق شدہ اسلامی ملک کو تجربہ کار اور لائق افراد کی بہتر کارکردگی سے مضبوط بنانے کے لئے مشورہ دیتے رہے۔

(۵) پروفیسر مرزا محمد منور صاحب اپنے ایک مضمون بعنوان "بحث و نظر" شائع شدہ روزنامہ "نوائے وقت" ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء میں تحریر فرماتے ہیں :—

"پاکستان وجود میں آگیا ہے تو اب اسے باقی رہنا چاہیئے، اِس کا بن کر بگڑ جانا سارے عالمِ اسلامی کی شکست کے برابر ہوگا۔" ابوالکلام

اس قول کی تشریح مزید کے لئے مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں جو اختصار سے پیش کرتا ہوں :

"۱۹۵۳ء کا جولائی یا اگست کا مہینہ تھا کہ میرے اُستادِ مرحوم و مغفور ڈاکٹر برکت علی قریشی مری کے سیسل ہوٹل میں قیام پذیر تھے۔ آپ ان دنوں یونیورسٹی اورینٹل کالج کے پرنسپل تھے اور مری میں تعطیلات گزار رہے تھے۔ میں اُن کی خدمت میں کیرکٹر سرٹیفکیٹ لینے کی خاطر حاضر ہوا تھا۔ وہ ان دنوں ابن خلدون

پر کوئی کتاب انگریزی میں تحریر فرما رہے تھے"........؟

اس کے بعد اُن سے تفصیلی بات چیت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

"میرے استفسار پر کہ پاکستان حکومت نے اُن کو کس کی سفارش پر شام میں ناظم الاُمور بنا کر بھیجا؟ فرمانے لگے، مَیں نے بھارت کی ایک پیشکش مسترد کر دی تھی۔ وہ پیشکش یہ تھی کہ اگر مَیں بھارت کا شہری رہوں، پاکستان سے واپس چلا جاؤں تو مجھے کسی عرب ملک میں بھارت کا سفیر بنا دیا جائے گا۔ جب مَیں نے بھارت کی یہ پیشکش رد کر دی تو اس امر کی اطلاع کسی طرح پاکستان گورنمنٹ کو بھی ہو گئی۔ چنانچہ میرے اس ایثار کا ایک حد تک بدلہ چکانے کے لئے مجھے ناظم الاُمور بنا کر شام بھیج دیا۔ سفیر تو بہر حال نہ بنایا اور ناظم الامور بھی زیادہ دیر نہ رہنے دیا"____؛

اس کے بعد پروفیسر منوّر صاحب لکھتے ہیں کہ :

"مَیں نے اُن سے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے اچھا کیا، آپ بھارت نہ گئے ___ اس پر ڈاکٹر صاحب بولے، عزیزِ من! مَیں تو جا رہا تھا، مجھے مولانا ابوالکلام نے منع کر دیا۔ پھر وہ لکھتے ہیں، یہ سُن کر مَیں چونکا اور پوچھا، انہوں نے کیوں روکا؟ میرے اس سوال پر ڈاکٹر صاحب نے بوضاحت فرمایا۔ میرے عزیز! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مَیں پرانا کانگرسی ہوں۔ مولانا محمد علیؒ، مولانا شوکت علیؒ اور شعیب قریشی جو ماسکو میں ہمارے سفیر ہیں، آصف علی اور مولانا آزاد، اور پنڈت جواہر لال نہرو میرے بے تکلف احباب میں سے ہیں۔ دِلّی میں جو نیشنل ہائی سکول کانگریس کی زیرِ سرپرستی وجود میں آیا تھا۔ اس اسکول کا پہلا ہیڈ ماسٹر آصف علی تھا اور دوسرا مَیں۔ جب تقسیم برّصغیر عمل میں آ گئی تو چند ماہ بعد پنڈت جی (نہرو) کی طرف سے پیغام آیا کہ مَیں ان سے ملوں۔ چنانچہ مَیں دِلّی گیا اور پنڈت جی سے ملا۔ مجھ سے پنڈت جی نے کہا کہ قریشی صاحب! آپ وطن تشریف لے آئیں، آپ کی خاصی جائداد ہے، یو۔ پی میں بھی اور گلمرگ (کشمیر) میں بھی۔ آپ یہاں آرام سے رہیں گے۔ جائداد بھی محفوظ رہے گی۔ آپ کا لڑکا ہماری سب سے بڑی ہاکی ٹیم کا رکن ہے۔ آپ پاکستان میں کیا کر رہے

ہیں، آپ یہاں آئیں، آپ ہمارے پرانے رفیق ہیں، آپ کسی عرب ملک میں بھارت کی سفارت کے فرائض انجام دیں۔ بھارت کو آپ کی ضرورت ہے، وغیرہ وغیرہ۔!"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :

"پنڈت جواہر لال نہرو کے یہ الفاظ دوہرانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے تأسف کے ساتھ ذکر کیا کہ اُن کا فرزند انگریزی کا تو نہایت اچھا کھلاڑی ہے مگر اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ اسی ذیل میں انہوں نے یو۔پی (صوبجاتِ متحدہ بھارت) اور کشمیر میں اپنی جائیداد کا بھی ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ انہوں نے پنڈت نہرو کی پیشکش قبول کر لی تھی !"

اس پر پروفیسر صاحب نے ان سے پوچھا کہ اس کے بعد یہاں رک جانے کی کیا وجہ ہوئی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا :

"پنڈت جی کے ساتھ اس طویل اور کاروباری ملاقات کے ایک دو روز بعد مولانا ابوالکلام آزاد سے، میں ملنے چلا گیا۔ انہوں نے باتوں باتوں میں پوچھا، جواہر لال نہرو سے بھی ملاقات ہوئی ؟ میں نے عرض کیا جی ہوئی ہے۔ پوچھا کیا کیا باتیں ہوئیں؟ اُن کے اس سوال سے مجھے احساس ہو گیا کہ شاید پنڈت جی نے مولانا سے میری اور اپنی ملاقات کی رُوداد بیان کر دی ہے، ویسے میں خود بھی مولانا سے مفصّل ذکر کئے بغیر نہ رہتا۔ ! جب میں نے مولانا کو پنڈت جی کی پیش کش کے بارے میں اطلاع دی، اور یہ بھی بتایا کہ میں نے وہ پیش کش قبول کر لی ہے تو مولانا نے جواب دیا۔ میرے بھائی ! یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی کہ مجھے یہ توقع نہ تھی، میرا خیال تھا کہ مولانا خوش ہوں گے کہ میں بھارت آ رہا ہوں۔ بہرحال نیم حیرت زدگی کے عالم میں، میں نے مولانا سے دریافت کیا، میرا فیصلہ کیوں ٹھیک نہیں ؟ اس پر مولانا نے فرمایا اور ان کے وہ الفاظ میرے دل پر کندہ ہیں !"

"میرے بھائی ! ہم نے تقسیم ہند کی مخالفت کی تھی اور کئی اسباب میں سے ایک سبب اس مخالفت کا یہ خوف تھا کہ اس تقسیم کے ساتھ ملتِ اسلامیہ

بھی تقسیم ہو جائے گی اور اس کی طاقت گھٹ جائے گی، مگر ملت کی اکثریت نے ہماری رائے (یہ لفظ ملت قابلِ نوٹ ہے) کے خلاف فیصلہ دیا۔ ہم ہار گئے اور پاکستان معرضِ وجود میں آگیا، پاکستان معرضِ وجود میں نہ آتا تو اور بات تھی اور اب ظہور میں آگیا ہے تو ہر دوسرے اسلامی ملک کی طرح یہ ملک بھی عزیز ہے۔ بلکہ دوسرے ممالک سے بڑھ کر عزیز ہے، اب اسے باقی رہنا چاہیئے، اس کا بن کر بگڑنا سارے عالمِ اسلام کی شکست کے برابر ہوگا۔ اس کا وجود میں آکر ناپید ہو جانا سارے عالمِ اسلامی کی توہین ہوگا۔ اب آپ لوگ بھارت کی طرف نہ دیکھیں، اب آپ پاکستان کو مضبوط بنائیں۔ ہم یہاں آپ لوگوں کی بہتری کے لئے دعا کرتے رہیں گے!"

(۵) ولی محمد صاحب ساکن سرگودھا اپنے ایک مراسلہ "نوائے وقت" مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۶۲ء میں بعنوان "مولانا ابوالکلام آزاد اور پاکستان" تحریر فرماتے ہیں:

"اعلانِ آزادی مورخہ ۳ جون کے بعد حضرت مولانا ابوالکلام آزاد شملہ میں قیام فرماتے۔ ۲۷ جولائی کو شملہ کے کم و بیش ۲۵، ۳۰ مسلمان شہریوں کا ایک وفد، جس میں میں بھی شامل تھا، حضرت مولانا سے ملاقاتی ہوا۔ مولانا نے گفتگو کا آغاز بعد از علیک سلیک یوں کیا: "الحمدللہ! ملک، پاکستان اور ہندوستان، دو مملکتوں کے طور پر آزاد ہو گیا۔ اب ہمارے سیاسی نظریات کے اختلاف بھی ختم ہو گئے۔ میرا محمد علی جناح صاحب سے اختلاف دو سیاسی نظریات کا اختلاف تھا۔ اپنے اپنے نظریے میں ہم پُرخلوص تھے۔ قوم نے ایک نظریہ قبول کر لیا اور ایک رد کر دیا۔ اس فیصلے کو میں صدق دلی سے قبول کرتا ہوں۔ میری تمنا اور دلی دعا ہے کہ اسلام کے نام پہ حاصل کیا ہوا پاکستان مستحکم اور مضبوط ہو اور ترقی کرے۔ خدانخواستہ اب اگر پاکستان میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہوئی تو بدنام اسلام ہوگا۔ بہرحال میری دعا ہے کہ پاکستان اسلامی مملکت بنے!"

سرکاری ملازمین میں بڑے بڑے عہدوں پہ مامور بعض افسر اپنی خدمات پاکستان کے سپرد کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ بلکہ بعض نے ہندوستان لکھ کر دے

دیا اور کلرک چپڑاسی، بیچارے خواہ اقلیتی صوبوں کے تھے وہ پاکستان لکھوا رہے تھے۔ میں نے مولانا کو اس امر پر توجہ دلائی تو فرمایا:

"میرے بھائی! پاکستان میں کلرکوں، چپڑاسیوں کی کمی نہیں۔ پنجاب یونیورسٹی نے دس ہزار میٹرک پاس کلرک پیدا کر دیئے ہیں۔ ضرورت اُن لوگوں کی ہے جو صاحبِ ہنر ہوں، جن کو انتظامی امور کا تجربہ ہو، جو نظامِ حکومت کو بہتر طور پر چلا سکیں، منصوبہ بندی کے ماہر ہوں۔ ہر ایک شخص کو جو کسی قسم کے بھی فن کا ماہر ہو، جس سے پاکستان شاہراہِ ترقی پر چل سکے۔ اپنا نام پاکستان کی خدمت کے لئے لکھانا چاہیئے۔ وغیرہ"

"ایک دوست کے اس سوال پر کہ حضرت! آئی۔سی۔ایس (انڈین سول سروس (اب پاکستان سول سروس) قسم کے لوگ تو ہندوستان کے سپرد اپنی خدمات کر رہے ہیں، ہم کیا کریں؟ فرمایا: "بھائی! اس قسم کے لوگ پہلے کون سا قومی جذبہ رکھتے تھے، جو، اب توقع رکھتے ہو؟"

(۶) جب تقسیم ملک کے بعد مسلمان ہندوستان سے خوف وہراس کے عالم میں بھاگنے لگے تو اُن کو دہلی کی شاہجہان کی مسجد میں بلا کر تقریباً ۳۵ ہزار کے مجمع سے خطاب فرمایا اور باتوں کے علاوہ فرمایا:

"یہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سلام کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے؟ ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمھیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔

عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو۔ یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیّر کے لئے تیار نہ تھے، بلکہ تیار ہو جاؤ۔ ستارے ٹوٹ گئے لیکن سورج تو چمک رہا ہے۔ اس کی کرنیں مانگ لو اور ان اندھیری راہوں میں بچھا دو جہاں اُجالے کی سخت ضرورت ہے۔ بادِ صبا اٹھی تو رُخ پھیر دیا، آندھیاں آئیں تو اُن سے کہا تمھارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ ایمان کی جان کنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں کے تار بیچ رہے ہو اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے کہ جیسے اُس پر کبھی ایمان ہی نہ تھا۔

عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے، چودہ سو برس پہلے کا پرانا نسخہ ہے۔ وہ نسخہ جس کو کائناتِ انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا۔ ...... اور اس نسخہ' قرآن کا یہ اعلان ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥

آج کی صحبت ختم ہو گئی، مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ اختصار کے ساتھ کہہ چکا، پھر کہتا ہوں، بار بار کہتا ہوں اپنے حواس پر قابو رکھو، اپنے گرد و پیش اپنی زندگی خود فراہم کرو، یہ منڈی کی چیز نہیں کہ تمھیں خرید کر لادوں۔ یہ تو دل کی دکان ہی سے اعمالِ صالحہ کی نقدی پر دستیاب ہو سکتی ہے۔ والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' سے

زباں ز نطق فرو ماند و رازِ من باقیست ؎ بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقی است

مولانا آزاد اور غیرتِ ملّی

تقسیم برِّ صغیر کے فیصلے کے مطابق ۱۵ / اگست ۱۹۴۷ء کے جشنِ آزادی سے تین چار دن پہلے چودھری خلیق الزّمان، نواب اسمٰعیل خاں میرٹھی کی معیت میں مولانا آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیش آمدہ حالات کی تلخیوں کا گلہ کرتے ہوئے تجویز رکھی کہ ۱۲ / اگست کو دہلی میں مسلمانوں کا ایک اجتماعِ عظیم کر کے سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کو سپاسنامہ پیش کرنا چاہیئے۔ مولانا نے فرمایا:

"میرے بھائی! خوشامد کا یہ کاغذی نوشتہ، پیش آمدہ مسائل کا حل نہیں ہے۔ ہم اپنی قوم کی خودی کو داغدار کئے بغیر اپنی مشکلوں پر قابو پا سکتے ہیں!"

<u>مولانا آزاد اسلامی حمیّت کی للکار تھے</u>: آپ نے ہندوستان کے بتکدے میں اُس وقت نعرۂ حق و صداقت بلند کیا جب اچھے اچھوں کی زبانیں بھی ذکرِ حق کے نام سے گنگ ہو جاتی تھیں۔ مولانا آزاد کانگرس (ہندو اکثریّت کی جماعت) میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی خودی اور اسلام کی سربلندی کے لئے علی الاعلان کلمۂ حق کہتے رہے۔ جہاں تک دو قومی نظریے کا تعلّق ہے، مولانا آزاد نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا، البتّہ اُن کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ برِّ عظیم کی مختلف اقوام کو متّحد ہو کر بحیثیتِ ہندوستانی انگریز سامراج کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ پاکستان میں ہندو، عیسائی، قادیانیوں، اور

مسلمانوں کو ملا کر پاکستانی قومیت کا نام لیا جاتا ہے ۔

کانگرس میں شمولیت کے باوجود مولانا آزاد کے کارنامے : اخذ و اختصار از مضمون ملک عنایت اللہ نسیم سوہدروی شائع شدہ ہفتہ وار "چٹان" مورخہ ۱۴ر اپریل ۱۹۷۵ء ۔

" اگر کانگرس میں شامل ہونا قابلِ مواخذہ ہے تو کون سا ایسا رہنما تھا جو کانگرس میں شریک نہ ہوا ۔ یہ مولانا آزاد ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی بہتری کے لئے (کرپس سکیم) مرکز کو کمزور کر کے صوبائی آزادی کو اس حد تک رکھے جانے کا اہتمام کیا کہ مسلمان ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے پانچ صوبوں کو لیں ۔ اس طرح سے انہوں نے کرپس (CRIPS) سکیم کے لئے راہ صاف کی ، جسے مسلم لیگ نے بھی تسلیم کر لیا ۔ اس کے بعد مولانا تقسیم کی ساری ذمہ داری نہرو اور اس کے ساتھیوں پر ڈالتے ہیں ۔ گویا مولانا مسلمانوں کے حقوق کی پاسبانی اپنا فرض جانتے تھے ۔ انہوں نے بھارت میں بچے کھچے مسلمانوں کا دفاع کیا ۔ اُن کا خطبہ بادشاہی مسجد جو پچھلے صفحات میں آ چکا ہے ، اس دفاع کا نقطۂ آغاز تھا ۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اُن کی زندگی میں ہندو عزائم سے محفوظ رہی ۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے ہر مسلمان کو تلقین کی کہ اب جبکہ پاکستان قائم ہو چکا ہے اس کی حفاظت و استقلال کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے جو اس خطے میں رہتے ہو ۔ مولانا نے ہندوستان کے قابل و اہل مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان جا کر اس کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں اور ہندوستانی حکومت کو پاکستانی حکومت سے بہتر تعلقات قائم کرنے پر زور دیا یہاں تک کہ مولانا جب مشرقی و مغربی کے دورے پر گئے تو واپسی پر کراچی آئے اور قائداعظم کے مزار پر پھول چڑھائے اور فاتحہ خوانی کی ۔

مولانا اکثر فرماتے کہ پاکستان بن چکا ، اُس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے مولانا آزاد ہی تھے جنھوں نے ہمیشہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کیا اور انگریزی حکومت کے سامنے بیان دیتے ہوئے صاف صاف کہا کہ : میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں ظالم حکومت کی مخالفت کروں

اور یہ ایمان کی کم سے کم علامت ہے۔ اسلام اور غلامی دو متضاد چیزیں ہیں جو کبھی یکجا جمع نہیں ہو سکتیں!" ؛

رام گڑھ کانگرس اور مولانا آزاد کا خطبۂ صدارت : "فرمایا میں مسلمان ہوں اور فخر سے اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں کہ اسلام کی تیرہ سو سالہ روائتیں میرے حصہ میں آئی ہیں۔ میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ضائع کرا دوں۔ اسلام کی تاریخ، اسلام کی تعلیم، اسلام کی دولت، اسلام کے جملہ اصول اسلام کی تہذیب میری دولت ہے اور یہ میرا فرض ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں، مذہبی اور ثقافتی دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی کسی قسم کی مداخلت کرے" ؛

دہلی میں کانگرس کا خاص اجلاس : دہلی میں کانگرس کے خاص اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا : "میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان تمام لوگوں کے خلاف اپنی صدا بلند کروں جو ہندو سنگھٹن تحریک کے علم بردار ہیں۔ آج کسی سنگھٹن کی ضرورت نہیں، جو ہندوانہ تحریک کی تائید کرتے ہیں مجھے ان کی حیثیت سے قطعی انکار ہے!" ــــــ شدھی کے متعلق فرمایا :

"اگر ہندوستان میں اس قسم کی صدائیں اٹھتی رہیں تو کامیابی محال ہے!"

سیاسی معاملات میں مولانا کی رائے غلط ہو سکتی ہے اور اختلاف بھی ممکن ہے! کیا ایسا اختلاف لوگ قائدِ اعظم کے متعلق نہیں کرتے کہ انہیں تقسیمِ پنجاب قبول نہیں کرنی چاہیئے تھی، یا انہیں ریڈ کلف ایوارڈ غیر مشروط طور پر قبول نہیں کرنا چاہیئے تھا ؛

تحریکِ آزادی، اشتراکِ قومی : تحریکِ آزادی میں دونوں قوموں کے اشتراک کے سب قائل تھے۔ جس کے لئے قائداعظم نے بھی کوشش کی مگر ہندو تعصب کی وجہ سے ناکام رہے۔ اور آخر ان کو ماننا پڑا کہ دونوں قوموں کا حل تقسیمِ ملک ہی ہے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے ۱۶ ارمئی کی سکیم منظور کر کے اس امر کی راہ بھی پیدا کی کہ شاید دونوں قومیں باہمی اشتراک سے رہ سکیں، مگر ہندو اس پر بھی تیار نہ ہوئے اور تقسیم پر ہندو نے اس لئے صاد کیا کہ شاید اس سے احیاءِ پاکستان

جو نصف پنجاب اور نصف بنگال پہ مشتمل ہوگا، کامیاب نہ ہو سکے گا۔ مولانا اناد صوبوں کی تقسیم کے قطعی مخالف تھے اور ہندو عزائم کے قطعی خلاف تھے ؏

قابلِ غور نکتہ : کسی عالمِ دین نے جو کانگرس یا مولانا آزاد سے وابستہ رہا — تقسیم کے بعد پاکستان کی مخالفت نہ کی۔ پاکستان کو سب سے زیادہ نقصان ان لوگوں نے پہنچایا جو پاکستان کی تحریک میں اعلیٰ مناصب رکھتے تھے اور اقتدار کی جنگ میں مصروف ہوئے ؏

وفات : اس عبقریٔ زمانہ کی وفات حسرت آیات فالج کے حملہ سے ہوئی

مَیں نے اپنی اسی بیاض میں آپ کے دستخط کے نیچے یہ نوٹ لکھا ہوا ہے :

"۲۰ ۳/۵۸ - آج صبح انڈیا ریڈیو نے حضرت مولانا آزاد پہ فالج کے حملہ کی المناک خبر سنائی !"

"۲۲ ۳/۵۸ - آج صبح انڈیا ریڈیو نے اُن کی وفات کی خبر سنائی۔ آہ! علم و معرفت کا چراغ بجھ گیا !" ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

آج ان کی وفات کو ایک عرصہ ہو گیا ہے، لیکن جب کبھی اس خزینۂ علم و کمال اور پیکرِ حُسن و جمال کی یاد آتی ہے تو یہ شعر پڑھ کر حسرت و اضطراب میں ڈوب جاتا ہوں ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم ؏ تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے !

بقیہ ص ۳۲

میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی ایسے شخص کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے جو پیش آمدہ روزمرّہ مسائل سے ناواقف ہو۔

۶- جس طرح دیگر امور کے لئے ایک ضابطۂ اخلاق جاری کیا جاتا ہے شریعتِ اسلامی کی روشنی میں تاجر حضرات کے لئے بھی ایک ضابطۂ اخلاق ہونا چاہئے جس کی وہ پابندی کریں۔ مثلاً کوئی بڑا آئے یا چھوٹا دکاندار سب کو ایک ہی نرخ پہ چیز دے، وغیرہ وغیرہ ؏

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

۳- امریکہ اور کینیڈا میں جو پاکستانی ڈاکٹرز مقیم ہیں - انہوں نے اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے نام سے اپنی ایک تنظیم قائم کی ہوئی ہے - جس کا ہر سال کسی بڑے شہر میں سالانہ اجلاس ہوتا ہے - جس میں پانچ سو سے زائد پاکستانی ڈاکٹرز شریک ہوتے ہیں - امسال ۳۰ اگست کو اس ایسوسی ایشن کا سالانہ اجلاس امریکہ کے شہر ڈیلاس میں منعقد ہونا تھا - اس اجلاس میں ڈاکٹر صاحب کو مہمان خصوصی "Chief Guest" کی حیثیت سے شریک ہو کر انگریزی میں ایک پیپر پڑھنا تھا - ڈاکٹر صاحب نے یہ دعوت بھی قبول کر لی تھی - اس کا بھی امکان کہ ڈیلاس میں موصوف کے ایک یا زائد درس قرآن کا بھی بندوبست ہو جائے -

۴- ۳ ستمبر سے ڈاکٹر صاحب کو کینیڈا کے شہر ٹورنیٹو میں روزانہ بارہ یوم تک بعد نماز مغرب منتخب قرآنی نصاب کے چھ حصص میں سے ہر حصے کے چند مقامات کا درس دینا ہے - کینیڈا کے چند دوسرے شہروں میں ان کے خطاب اور درس قرآن کے انتظامات بھی ٹورنیٹو کے احباب کے پیش نظر ہیں -

۵- امریکہ اور کینیڈا سے فارغ ہو کر ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب اوائل اکتوبر میں لندن تشریف لے جائیں گے - جہاں القرآن سوسائٹی اور دیگر اسلامی اداروں کے زیر اہتمام دس بارہ یوم تک خطابات اور دروس قرآن کے انتظامات ہونگے -

۶- ڈاکٹر صاحب کی صحت ، حالات اور وقت نے اجازت دی اور اللہ کو منظور ہوا تو لندن کے پروگرام سے فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب ناروے کے شہر اوسلو تشریف لے جائیں گے - وہاں سے ایک اسلامی ادارے سے ڈاکٹر صاحب کو دعوت نامہ مل چکا ہے - سوئیڈن اور ڈنمارک میں بھی ڈاکٹر صاحب کے دروس کا انتظام اس ادارے کے پیش نظر ہے - جہاں اس ادارے کی شاخیں قائم ہیں -

دعا ہے کہ صحت و سلامتی کے ساتھ اس دورے کی تکمیل میں اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کا حامی و ناصر ہو اور جن اداروں اور اصحاب نے اس دورے کے انتظامات میں دامے درمے سخنے اور قدمے تعاون کیا ہے ان کو جزائے خیر سے نوازے اور ڈاکٹر صاحب کے اس سفر کو تحریک و دعوت رجوع الی القرآن کی وسعت کے لیے وسیلہ ظفر بنائے - آمین یا رب العالمین -

وسط رمضان المبارک میں محترم محمد بشیر ملک صاحب اعزازی ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن کو عارضہ قلب ہو گیا تھا - تازہ ترین اطلاعات کے مطابق موصوف روبصحت ہیں - لیکن ان کے معالج نے ان کو طویل عرصہ تک آرام کرنے کی تاکید کی ہے - قارئین کرام سے ملک صاحب کی صحت کے لیے دعا کرنے کی درخواست ہے -

MONTHLY MEESAQ LAHORE

Vol. 28 | September 1979 | No. 9

سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی ۔ ۳

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

کی وہ تقریر جس میں تنظیم اسلامی کے قیام کے فیصلے کا اعلان کیا گیا !

سرافگندیم

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا

مع مقدمہ بعنوان : ”امت مسلمہ کا عروج و زوال اور موجودہ اجمالی مساعی کا اجمالی جائزہ“

قیمت فی نسخہ ——————— چھ روپے

شائع کردہ :

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۴ ۔ اے ، مزنگ روڈ ، لاہور

(فون : 311668)

ناشر : چودھری رشید احمد — مطبع : مکتبہ جدید پریس، شارع فاطمہ جناح لاہور